جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

القران الحکیم ۶۵:۱۲
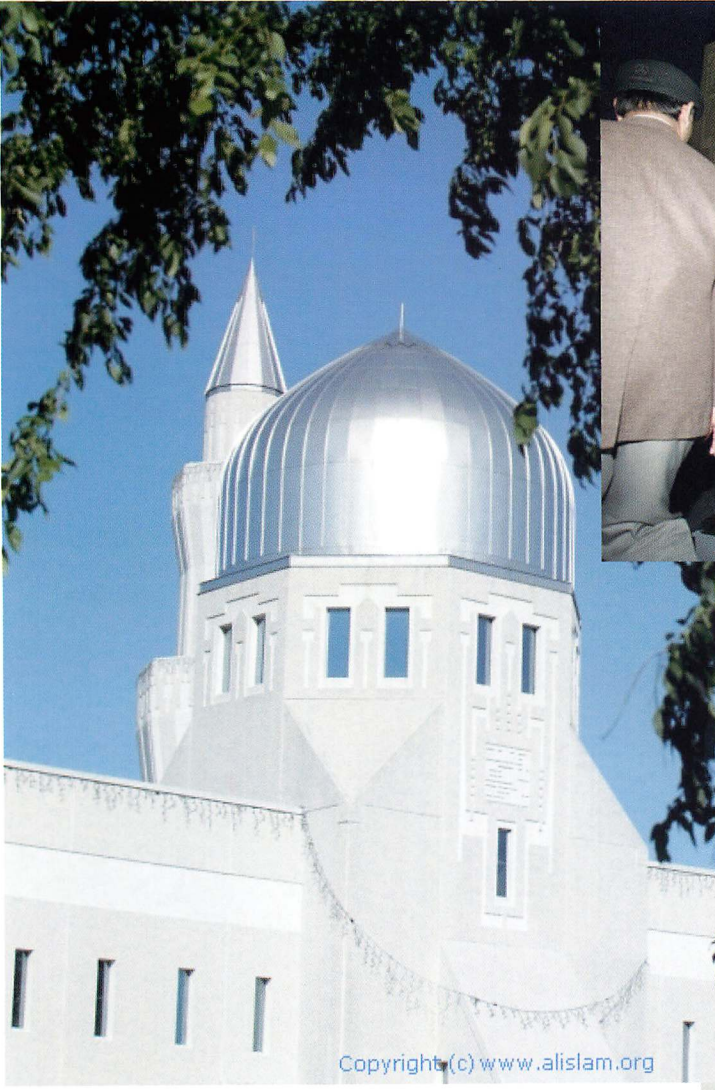
النور

وفا ۱۳۸۴ ہش
جولائی ۲۰۰۵ء

المسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منظر
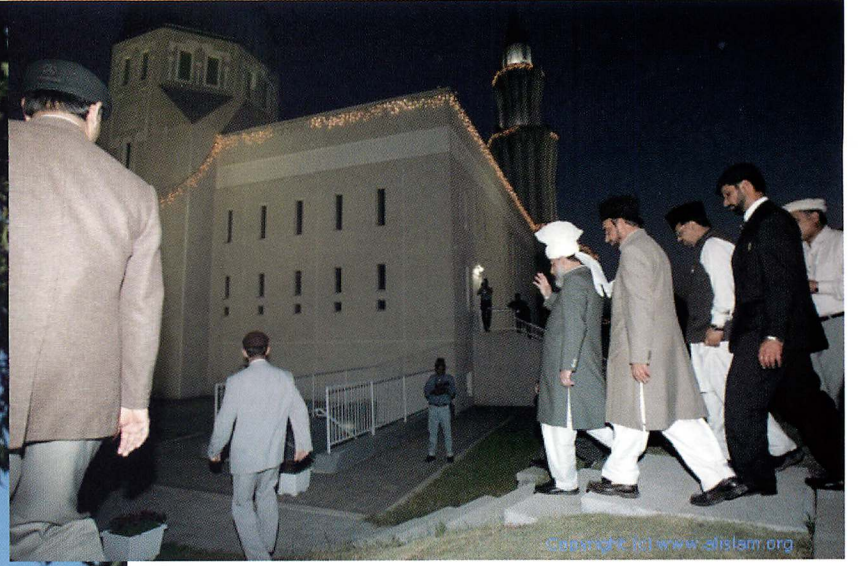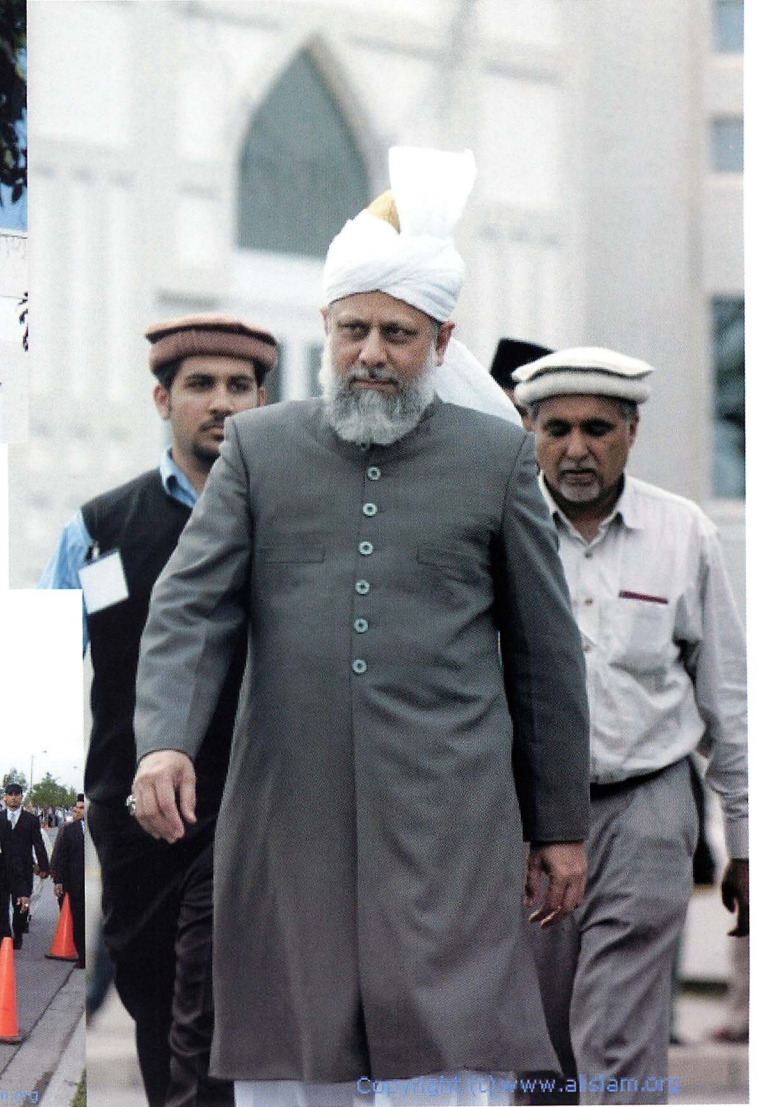
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دورہ کینڈا ۲۰۰۵ کے چند مناظر

لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

(القرآن 12:65)

النـــــور

جولائی 2005

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیتی اور ادبی مجلّہ

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝

(الاحزاب:45)

ان کا خیر مقدم جس دن وہ اس سے ملیں گے، سلام ہوگا اور اس نے ان کے لئے بہت معزز اجر تیار کر رکھا ہے۔

لکھنے کا پتہ:

Editors Ahmadiyya Gazette

15000 Good Hope Road

Silver Spring, MD 20905

karimzirvi@yahoo.com

فہرس

قرآنِ کریم

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ط وَعْدَاللّٰهِ حَقًّا ط وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا○

(النّساء: 123)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ہم ضرور اُنہیں ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اور (اپنے) قول میں اللہ سے زیادہ سچا اور کون ہے۔

وَلَاتَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ○

(حٰمٓ السّجدة:35)

نہ اچھائی برائی کے برابر ہو سکتی ہے اور نہ برائی اچھائی کے (برابر)۔ ایسی چیز سے دفاع کر کہ جو بہترین ہو۔ تب ایسا شخص جس کے اور تیرے درمیان دشمنی تھی وہ گویا اچانک ایک مدد گار، جاں نثار دوست بن جائے گا۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ○ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۙ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ○

(الّیل: 6-11)

پس وہ جس نے (راہِ حق میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ اور بہترین نیکی کی تصدیق کی۔ تو ہم اسے ضرور کشادگی عطا کریں گے۔ اور جہاں تک اس کا تعلق ہے جس نے بخل کیا اور بے پروائی کی۔ اور بہترین نیکی کی تکذیب کی تو ہم اُسے ضرور تنگی میں ڈال دیں گے۔

حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی للّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَیْنِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ نُوْدِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ ، یَاعَبْدَ اللّٰهِ! هٰذَا خَیْرٌ فَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ ، وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ ، وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّیَامِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الرَّیَّانِ ، وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ۔قَالَ اَبُوْبَکْرٍ رضی اللہ عنہ :بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاعَلٰی مَنْ دُعِیَ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ یُدْعٰی اَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ کُلِّهَا ؟ قَالَ :نَعَمْ وَارْجُوْا اَنْ تَکُوْنَ مِنْهُمْ۔

(بخاری کتابالصوم باب الریان للصائمین)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خدا کی راہ میں جس نیکی میں ممتاز ہوا اسے اس نیکی کے دروازے میں جنت کے اندر آنے کے لئے کہا جائے گا۔اسے آواز آئے گی۔اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ تیرے لئے بہتر ہے۔اسی سے اندر آؤ، اگر وہ نماز پڑھنے میں ممتاز ہوا تو نماز کے دروازے سے اسے بلایا جائے گا۔اگر جہاد میں ممتاز ہوا تو جہاد کے دروازے سے، اگر روزے میں ممتاز ہوا تو سیرابی کے دروازے سے، اگر صدقہ میں ممتاز ہوا تو صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا۔حضورؐ کا یہ ارشاد سن کر حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں جسے ان دروازوں میں سے کسی ایک سے بلایا جائے اسے کسی اور دروازے کی ضرورت تو نہیں لیکن پھر بھی کوئی ایسا خوش نصیب بھی ہوگا جسے ان سب دروازوں سے آواز پڑے گی؟ آپؐ نے فرمایا۔ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہو۔

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

"نکمّی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی نیکی کے تنگ دروازہ میں داخل نہیں ہو سکتا"

"نیکی ایک زینہ ہے اسلام اور خدا کی طرف چڑھنے کا۔ لیکن یاد رکھو کہ نیکی کیا چیز ہے۔ شیطان ہر ایک راہ میں لوگوں کی راہ زنی کرتا اور ان کو راہِ حق سے بہکاتا ہے مثلاً رات کو روٹی زیادہ پک گئی اور صبح کو باسی بچ رہی۔ عین کھانے کے وقت کہ اس کے سامنے اچھے کھانے رکھے ہیں۔ ابھی ایک لقمہ نہیں کہ دروازہ پر آ کر فقیر نے صدا کی اور روٹی مانگی۔ کہا وہ باسی روٹی سائل کو دے دو۔ کیا یہ نیکی ہوگی؟ باسی روٹی تو پڑی ہی رہنی تھی۔ تنعم پسند اسے کیوں کھانے لگے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا.

(الدھر:9)

نکمّی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی نیکی کے تنگ دروازہ میں داخل نہیں ہو سکتا بیکار اور نکمّی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی آدمی نیکی کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ نیکی کا دروزاہ تنگ ہے۔ پس یہ امر ذہن نشین کر لو کہ نکمّی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نصِ صریح ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

(آلِ عمران:93)

جب تک عزیز سے عزیز اور پیاری سے پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے اس وقت تک محبوب اور عزیز ہونے کا درجہ نہیں مل سکتا۔

اگر تکلیف اُٹھانا نہیں چاہتے اور حقیقی نیکی کو اختیار کرنا نہیں چاہتے تو کیونکر کامیاب اور بامراد ہو سکتے ہو۔ کیا صحابہ کرامؓ مفت میں اس درجہ تک پہنچ گئے ہیں جو ان کو حاصل ہوا۔ دُنیاوی خطابوں کے حاصل کرنے کے لئے کس قدر اخراجات اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں تب کہیں جا کر ایک معمولی خطاب جس سے دلی اطمینان اور سکینت حاصل نہیں ہو سکتی ملتا ہے۔ پھر خیال کرو کہ رضی اللہ کا خطاب جو دل کو تسلّی اور قلب کو اطمینان اور مولیٰ کی رضامندی کا نشان ہے کیا یُونہی آسانی سے مل گیا؟

(ملفوظات جلداوّل صفحہ75-76)

کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

اَلا اے کہ ہشیاری و پاک زاد   پئے حرصِ دُنیا مدہ دیں بباد

بدیں دارِ فانی دلِ خود مبند   کہ دارد نہاں راحتش صد گزند

اگر باز باشد ترا گوشِ ہوش   زگورت ندائے درآید بگوش

کہ اے طعمۂ من پس از چند روز   پئے فکر دنیائے دُوں کم بسوز

ہر آں کو بدُنیائے دُوں مبتلا است   گرفتارِ رنج و عذاب و عنا است

برست آنکہ بر موت دارد نگاہ   بریدہ زدُنیا دویدہ براہ

سفر کردہ پیش از سفر سُوئے یار   کشیدہ زدُنیا ہمہ رخت و بار

پئے دارِ عقبیٰ کمر بستہ چُست   رہا کردہ سامان ایں خانہ سُست

چو کارے حیات است کارے نہاں   ہماں بہ کہ دل بگسلی زیں مکاں

جہنّم کزو داد فرقاں خبر   ہمیں حرصِ دنیا است جانِ پدر

چو آخر زدنیا سفر کردن است   چو روزِ زیں رہ گذر کردن است

چرا عاقلے دل بہ بندو دراں   کہ ناگاہ وزد بر گلِ اُو خزاں

بدیں قحبہ بستن دلِ خود خطا است   کہ ایں دشمن دیں و صدق و صفا است

چہ حاصل ازیں دلستانِ دو رنگ   کہ گاہے بصلحت کشد گہ بجنگ

چرا دل نہ بندی بداں دلستاں   کہ مہرش رہاند زبندِ گراں

برو فکر انجام کن اے غوی   زسعدی شنو گر زمن نشنوی

عروسی بود نوبتِ ماتمت
اگر بر نکوئی بود خاتمت

خطبہ جمعہ

اگر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں لے کر آنا ہے، اگر توحید کو قائم کرنے کا دعویٰ کرنے والا بننا ہے تو اپنی عبادتوں کے معیار بھی بلند کرنے ہوں گے۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال اور میری عظمت کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور آج جبکہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں میں انہیں اپنے سایہء رحمت میں جگہ دوں گا۔"

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المؤمنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔فرمودہ 24/جون 2005ء بمقام کینیڈا برموقعہ جلسہ سالانہ کینیڈا

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتِ احمدیہ کینیڈا کا جلسہ سالانہ شروع ہو رہا ہے اور اس خطبے کے ساتھ ہی آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ جلسہ آپ کے لئے، تمام شامل ہونے والوں کے لئے اور کسی مجبوری کی وجہ سے نہ شامل ہونے والوں کے لئے بھی بے شمار برکات کا حامل بنائے، بے شمار برکات لانے والا ہو۔ پہلے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والا ہو۔ سب کو تقویٰ میں بڑھانے والا ہو۔ اور جس مقصد کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان جلسوں کا انعقاد فرمایا تھا اس کو پورا کرنے والا ہو۔ ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قیام اور اس کے حکموں پر عمل کرنا ہو اور اس کے لئے ہم اپنے آپ میں بھی تبدیلیاں پیدا کرنے والے ہوں اور اپنی نسلوں میں بھی یہ تعلیم جاری رکھنے والے ہوں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان جلسوں کا مدّعا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اس جلسے سے مدّعا اور اصل مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کرلیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلّی جھک جائیں اور ان کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد وتقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیز گاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مؤاخات میں دوسروں کے لئے نمونہ بن جائیں۔ اور انکسار اور تواضع اور راستبازی ان میں پیدا ہو۔ اور دینی مہمات میں سرگرمی اختیار کریں۔''

تو یہ وہ مقاصد ہیں جن کے حاصل کرنے کیلئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں آواز دی ہے۔ آخرت کی طرف انسان تبھی جھک سکتا ہے جب دل میں خدا تعالیٰ کا خوف اسطرح ہو کہ اس کو تمام طاقتوں کا سرچشمہ سمجھتا ہو اور جب یہ خیال یقین میں بدل جائے گا کہ وہ خدا ایک خدا ہے، مجھے پیدا کرنے والا بھی، مجھے پالنے والا بھی ہے، مجھے دینے والا بھی ہے، میرے کام میں یا کاروبار میں برکت بھی اسی کے فضل سے پڑتی ہے۔ اگر اس کی عبادت کرنے والا یا اگر اس کے آگے جھکنے والا رہا تو اسکی نعمتوں سے حصہ پاتا رہوں گا۔ اگر میرے اندر نیکیوں کو پانے کی روح رہی تو میں اس کی نعمتوں کا وارث رہوں گا۔ اگر اس کی مکمل اطاعت کرتے ہوئے تقویٰ پر چلتے ہوئے اس کے حقوق بھی ادا کرتا رہا اور اسکی مخلوق کے حقوق بھی ادا کرتا رہا تو اسکے انعاموں سے حصہ پانے والا ہوں گا۔ اگر یہ سوچ رہی تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق ضرور اپنے انعاموں سے نوازتا رہے گا۔

لیکن یہ تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے قائم کرنے کے معیار اس وقت قائم

ہوتے ہیں جب اس کے تمام حکموں پر عمل ہو رہے ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ہی ہوتا ہے اور پھر وہی بات یہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم میں ہر وقت، ہر لحہ خدا، خدا، اور خدا رہے۔ تبھی تو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خدا ترسی بھی رہے گی، پرہیز گاری بھی رہے گی، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے نرم جذبات بھی رہیں گے، آپس میں محبت بھی رہے گی اور جب یہ چیزیں پیدا ہونگی تو تب ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش کے مطابق ایک نمونہ بن سکیں گے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ

کیا ہم یہ نمونے اپنے اندر قائم کر رہے ہیں یا قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟

کیا ہم نے آپس میں محبت اور بھائی چارے کی فضا کے معیار قائم کر لئے ہیں جن کی توقع ہم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے؟

کیا ہم نے اپنے اندر عاجزی کے اعلیٰ معیار قائم کر لئے ہیں؟

کیا ہمارے اندر وہ روح پیدا ہو چکی ہے کہ ہم کہہ سکیں کہ ہم اپنی ضرورتوں کو اپنے بھائی کی ضرورتوں پر قربان کر سکتے ہیں؟

کیا ہمارے اندر اتنی عاجزی اور انکساری پیدا ہو گئی ہے کہ ہم اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھیں اور جہاں خدمت کا موقع ملے اس سے کبھی گریز نہ کریں؟

کیا ہم نے سچائی کے وہ معیار حاصل کر لئے ہیں جب ہم یہ کہہ سکیں کہ اگر ہمیں اپنے عزیزوں کے خلاف یا اپنے خلاف گواہی دینی پڑی تو دیں گے اور سچ کو قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہیں گے؟

کیا ہم دینی ضروریات کے لئے ہر وقت تیار ہیں یا صرف دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا نعرہ ہی ہے جو ہم لگا رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟

کہیں یہ تو نہیں کہ دعویٰ تو یہ کر رہے ہوں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میں کسی کو دوست بناؤں' اور چھوٹے چھوٹے بُت میں نے اپنے دل میں بسائے ہوں؟

پانچ وقت نمازوں میں سُستی دکھائی جارہی ہو اور یہ سُستی اکثر میں نے دیکھا ہے دکھائی جاتی ہے۔ میں نے جائزہ لیا ہے اکثر بعض دفعہ ملاقاتوں میں کہ نمازوں کی باقاعدگی کی طرف اگر پوچھو کہ توجہ ہے تو یہ جواب ہوتا ہے کہ کوشش کرتے ہیں یا پھر کوئی گول مول سا جواب دے دیتے ہیں۔ حالانکہ نمازوں کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نماز کو قائم کرو، باجماعت ادا کرو اور نماز کو وقتِ مقررہ پر ادا کرو جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰباً مَّوْقُوْتاً.

(النساء:104)

یقیناً نماز مومنوں پر ایک وقتِ مقررہ کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔

اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''میں طبعاً اور فطرتاً اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے اور نماز موقوتا کے مسئلہ کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں۔''

ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو وقتِ مقررہ تو علیحدہ رہا، نمازوں میں سستی کر جاتے ہیں۔ کیا ایسا کر کے ہم اس حکم پر عمل کر رہے ہیں کہ

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ق
وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ○

(البقرۃ:239)

(اپنی) نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص مرکزی نماز کی اور اللہ کے حضور فرمانبرداری کرتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ۔

پس ہر احمدی کو اپنی نمازوں کی حفاظت کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ وقتِ مقرّرہ پر ادا کرنا چاہیئے۔ اگر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں لے کر آنا ہے، اگر توحید کو قائم کرنے کا دعویٰ کرنے والا بننا ہے تو اپنی عبادتوں کے معیار بھی بلند کرنے ہوں گے۔ اپنی نمازوں کی بھی حفاظت کرنی ہوگی، کاموں کے عذر کی وجہ سے دوپہر

کی ،ظہر کی نماز اگر آپ چھوڑتے ہیں تو نمازوں کی حفاظت کرنے والے نہیں کہلا سکتے۔ بلکہ خدا کے مقابلے میں اپنے کاموں اور اپنے کاروباروں کو اپنی حفاظت کرنے والا سمجھتے ہیں۔اور اگر فجر کی نماز نیند کی وجہ سے وقت پر ادا نہیں کر رہے تو یہ دعویٰ غلط ہے کہ ہمارے دلوں میں خدا کا خوف ہے اور ہم اس کے آگے جھکنے والے ہیں۔اسی طرح کوئی بھی دوسری نماز اگر عادتاً یا کسی جائز عذر کے بغیر وقت پر ادا نہیں ہو رہی تو وہی تمہارے خلاف گواہی دینے والی ہے کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم خدا کا خوف رکھنے والے ہیں لیکن عمل اس کے برعکس ہے۔

اور جب یہ نمازوں میں ہے تو جبھی اسی طرح قائم رہے گی اور نمازوں کی حفاظت کا خیال نہیں رکھا جائے گا تو پھر یہ رونا بھی نہیں رونا چاہیئے کہ خدا ہماری دعائیں نہیں سنتا!!! نمازوں کی حفاظت اور نگرانی ٹھیک اس بات کی ضامن ہوگی کہ ہمیں اور ہماری نسلوں کو گناہوں اور غلط کاموں سے پاک رکھے۔ہماری نمازوں میں باقاعدگی یقیناً ہمارے بچوں میں بھی یہ روح پیدا کرے گی کہ ہم نے بھی نمازوں میں باقاعدہ ہونا ہے اور اس کی اس طرح حفاظت کرنی ہے جس طرح ہمارے والدین کرتے ہیں۔

اور جب یہ بات ان بچوں کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے گی ،بیٹھ جائیگی کہ ہم نے نمازوں میں باقاعدگی اختیار کرنی ہے تو پھر والدین کو اس فکر سے بھی یہ چیز آزاد کردے گی کہ جس مغربی معاشرے میں جہاں ہزار قسم کے کھلے گند اور برائیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ہر وقت والدین کو یہ فکر رہتی ہے کہ ان کے بچے اس گند میں گر نہ جائیں۔دعا کے لئے لکھتے ہیں اور کہتے بھی ہیں اور خود بھی کوشش کرتے ہوں گے ،دعائیں کرتے ہوں گے۔تو سب سے بڑی کوشش ہی یہ ہے کہ نمازوں میں باقاعدگی پیدا کریں اگر ان بچوں کو گندگیوں اور غلاظتوں میں گرنے سے بچانا ہے۔کیونکہ اب ان غلاظتوں اور گندگیوں سے بچانے کی ضمانت ان بچوں کی نمازیں اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق دے رہی ہیں۔جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط

(العنکبوت:46)

یقیناً نماز بدیوں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔

گویا ان نمازوں کی حفاظت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی نمازوں کے ذریعے ضمانت دے دی ہے کہ خالص ہو کر میرے حضور آنے والے اب میری ذمہ داری بن گئے ہیں کہ میں بھی اس دنیا کی گندگیوں اور غلاظتوں سے ان کی حفاظت کروں اور ان کو نیکی پر قائم رکھوں ،تقویٰ پر قائم رکھوں ،ایسے لوگو میں شامل کروں جو تقویٰ پر قائم ہوں ،جو میرے پاکباز لوگ ہیں ایسے لوگوں میں شامل کروں جو میرا انعام پانے والے ہیں۔پس جو سب سے بنیادی چیز ہے جس کی training اور جس کے کرنے کا عزم آپ نے ان جلسے کے دنوں میں کرنا ہے جو نمازوں میں کمزور ہیں انہوں نے ان دنوں میں اس کا حق ادا کرتے ہوئے اس میں باقاعدگی اور پابندی اختیار کرنے کی کوشش کرنی ہے لیکن یہ بات واضح ہو کہ ان دنوں میں جلسے کی وجہ اور یا میرے دورے کی وجہ سے اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے چند دنوں کے لئے نمازیں جمع کر کے پڑھائی جاتی ہیں تو یہ بچوں کے ذہن میں نوجوانوں کے ذہنوں میں یا بعض سست لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات نہ رہ جائے کہ یہ نمازیں جمع کر کے پڑھنا ہی ہماری زندگی کا مستقل حصہ ہیں بلکہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نمازیں وقتِ مقررہ پر ادا کرو تو اس کے مطابق ادا ہونی چاہئیں۔سوائے اس کے کہ مسافر ہوں یا دوسری جائز ضرورت ہو جس طرح مثلاً یہاں بعض شہروں میں آجکل سوا نو بجے ،ساڑھے نو بجے ،یا بعض جگہوں پر پونے دس بجے سورج غروب ہوتا ہے تو مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائی جاتی ہیں لیکن جب وقت بدل جائیں گے تو پھر یہ وقت پر ادا ہونی چاہئیں۔تو بہر حال دین میں آسانی ہے اس لئے یہ سہولت میسّر ہے۔لیکن فکر کے ساتھ نمازیں ادا کرنا بہر حال ضروری ہے۔اور یہ ہمیشہ ذہن میں ہونا چاہیئے کہ یہ آسانی دنیا داری اور سستی کی وجہ سے نہ ہو۔

یہ جو میں نے کہا تھا کہ نمازوں میں کمزور لوگ جو ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بے وقت اور جمع کر کے نمازیں پڑھتے ہیں۔بعض ایسے بھی ہیں جو پوری پانچ نمازیں بھی نہیں پڑھتے انہیں بھی ان دنوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جبکہ دعاؤں کا ماحول ہے اپنے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہوئے یا تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے اس سے مدد مانگتے ہوئے اپنی نمازوں کی حفاظت کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔

ہر قدم پر یہاں شیطان کھڑا ہے جو اللہ تعالیٰ سے بندے کو دور لے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔اس کے خلاف جہاد کریں۔اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کریں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جن کا اوڑھنا بچھونا عبادت تھی ،آپؐ

بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کے لئے دعا کیا کرتے تھے اور کس طرح دعا کیا کرتے تھے، اس کا ایک روایت میں ذکر آتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ یہ دعا کیا کرتے تھے:

''اے اللہ! میں تجھ سے تیری عزت کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو وہ ذات ہے جو مرنے والی نہیں جبکہ جن و انس مر جائیں گے۔''

پس ہم میں سے ہر ایک کا فرض بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عبد بننے کے لئے، بندہ بننے کیلئے، اس کی عبادت کی طرف توجہ پیدا کرنے کے لئے، اسکی پناہ میں آنے کے لئے، شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے، اور ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنے کے لئے کہ وہ قائم رہنے والی اور قائم رکھنے والی ذات ہے باقی سب کچھ فنا ہونے والی چیزیں ہیں، استغفار کرتے ہوئے اس کی پناہ میں آئیں۔ اسکا عبادت گزار بندہ بننے کے لئے اسکا فضل مانگتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر فضل فرمائے اور ہمیں اپنا عبادت گزار بندہ بنائے۔

جب عبادتوں کے اعلیٰ معیار قائم ہو جائیں گے یا یہ معیار حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے کوشش شروع ہو جائے گی تو باقی نیکیاں بھی جو انسان کو خدا کے قریب کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں ان کی طرف بھی توجہ پیدا ہونی شروع ہو جائے گی۔ جیسا کہ پہلے بھی میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق ادا کرو، کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ انسان خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے والا ہو، نمازوں کی ادائیگی کرنے والا ہو اور پھر یہ بھی ساتھ ہو کہ بندوں کے حقوق مارنے والا بھی ہو۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ یہ بات تو اللہ تعالیٰ کے اس دعویٰ کے خلاف ہے۔ اگر بظاہر بعض نمازی ایسے نظر آتے ہیں جو نمازیں پڑھ رہے ہوتے ہیں لیکن لوگوں کے حقوق بھی غصب کرنے والے ہوتے ہیں، حقوق مارنے والے ہوتے ہیں۔ تو وہ ان نمازیوں میں شامل نہیں ہیں جو خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں بلکہ وہ تو اس زمرے میں شامل ہو جائیں گے جن کے بارے میں فرمایا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝

(الماعون:5)

ہلاکت ہے ایسے نمازیوں کے لئے

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تو نمازیوں کو نیکیوں پر چلاتا ہوں، جو نماز کا حق ادا کرنے والے ہوں۔ پس ہم میں سے ہر ایک کو اس فکر کے ساتھ اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیئے اور ہمیشہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ بھی دیتے رہنا چاہیئے اس کوشش میں رہنا چاہیئے کہ آپس میں محبت اور اخوت کی فضا پیدا ہو، بھائی چارے کی فضا پیدا ہو۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''۔۔۔نرم دلی اور باہم محبت اور مؤاخات میں ایک دوسرے کے لئے نمونہ بن جائیں۔۔۔''

تو تقویٰ کا اعلیٰ معیار تبھی قائم ہو سکتا ہے کہ جب پیار و محبت اور عاجزی اور ایک دوسرے کی خاطر قربانی کی روح پیدا ہو کیونکہ جس میں اپنے بھائی کے لئے محبت نہیں اس میں تقویٰ بھی نہیں۔ جس میں انکسار نہیں وہ بھی تقویٰ سے خالی ہے۔ جس دل میں اپنے بیوی بچوں کے لئے نرمی نہیں وہ بھی تقویٰ سے عاری ہے۔ جو بیوی یا خاوند ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کرتے وہ بھی تقویٰ سے خالی ہیں۔ جو عہدیدار اپنے عہدوں کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں وہ بھی تقویٰ سے خالی ہیں۔ غرض کہ جو دل بھی اپنی انا اور تکبر یا کسی بھی قسم کی برائی اپنے اندر لئے ہوئے ہے وہ تقویٰ سے عاری ہے، جو بھی اپنے علم کے زعم میں دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے وہ تقویٰ سے خالی ہے۔

لیکن جو لوگ اپنی عبادتوں کے ساتھ ساتھ عاجزی اور انکساری دکھاتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے بندوں کی عزت کرتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں ان کے حقوق ادا کرتے ہیں ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ہیں اور یہ صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہے۔ اور یہ صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کریں۔ اور یہ صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت

نے اس کی مخلوق سے محبت پر بھی ان کو مجبور کیا ہے۔ تو یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بے انتہاء انعام پانے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے، ایک حدیث میں اس کا ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال اور میری عظمت کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور آج جبکہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں میں انہیں اپنے سایہء رحمت میں جگہ دوں گا۔''

تو دیکھیں جو لوگ خدا تعالیٰ کا تقویٰ دل میں رکھتے ہوئے، اسکے رعب اور اسکی عظمت کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ان کے دل اس خوف سے کانپتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق ادا نہ کر کے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث نہ بن جائیں تو ایسے بندے وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کرنے والے ہیں۔ پس یہ وہ روح ہے جو ہر احمدی کے دل میں پیدا ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اس زمانے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننے کے بعد آپ ہی وہ قوم ہیں جن کے اوپر دنیا کی اصلاح کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ ہے اگر اللہ کے پیار کو حاصل کرنے کی خواہش ہے اگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت ہی اس کی محبت حاصل کرنے کے لئے اور اپنے انجام بخیر کے لئے اور اسکے سایہء رحمت میں جگہ پانے کے لئے کرنی ہوگی۔

اور جلسے کے یہ دن اس بات کی طرف توجہ پیدا کرنے کے لئے training کے طور پر ہیں۔ اس کی ابتداء آج سے ہی ہو جانی چاہیئے۔ آج سے ہی ہر دل میں یہ ارادہ ہونا چاہیئے کہ ہمیں اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کرنی چاہئیں، اپنے معیار اونچے کرنے چاہئیں۔ جو ناراض ہیں وہ ایک دوسرے کو گلے لگائیں جو روٹھے ہوئے ہیں وہ ایک دوسرے کو منائیں، جو گلے شکوے دلوں میں بٹھائے ہوئے ہیں وہ ان گلے شکووں کو اپنے دلوں سے نکال کر باہر پھینکیں اور ان دنوں میں عبادتوں کے ساتھ ساتھ محبتیں بانٹنے کی training بھی حاصل کریں۔ یہ عہد کریں کہ پرانی رنجشوں کو مٹا دیں گے۔ ایک دوسرے کے گلے اس نیت سے لگیں کہ پرانی رنجشوں کا ذکر نہیں کرنا، ایک دوسرے کی کی گئی زیادتیوں کو بھول جانا ہے۔ کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرنی بلکہ حقیقی مومن بن کر رہنا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کی گئی عبادتیں بھی قبولیت کا درجہ پائیں اور اللہ تعالیٰ کی خاطر اللہ کی مخلوق سے کی گئی نیکیاں، انکے حقوق کی ادائیگیاں بھی اللہ کے حضور قبولیت کا درجہ پائیں۔ اور یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بیان کردہ تعلیم کے مطابق مؤمن بن جائیں۔ تبھی وہ مومن بن سکتے ہیں۔ جن کے بارے میں ایک روایت میں اس طرح ذکر آیا ہے:

حضرت عامرؒ کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تو مومنوں کو ان کے آپس کے رحم، محبت اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح دیکھے گا۔ جب جسم کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کا سارا جسم اس کے لئے بے خوابی اور بخار میں مبتلا رہتا ہے۔''

خدا کرے کہ آپ لوگ اپنے ماحول میں پیدا شدہ برائیوں کو ایک جسم کی طرح دیکھنے اور محسوس کرنے کے قابل ہو جائیں۔ مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کینیڈا میں بڑی تیزی کے ساتھ شادیوں کے بعد میاں بیوی کے معاملات میں تلخیاں پیدا ہو رہی ہیں اور میرے خیال میں اس میں زیادہ قصور لڑکے لڑکی کے ماں باپ کا ہوتا ہے۔ ذرا بھی برداشت کا مادہ نہیں ان میں ہوتا۔ یا کوشش یہ ہوتی ہے کہ لڑکے کے والدین یہ کر رہے ہوتے ہیں، بیوی کے ساتھ understanding نہ ہو اور ان کا آپس میں اعتماد پیدا نہ ہونے دیا جائے کہ کہیں لڑکا ہاتھ سے نہ نکل جائے یا پھر اس لئے بھی رشتے ٹوٹتے ہیں کہ پاکستان سے لڑکے یا پاکستان سے آنے والے بعض رشتے جو ہوتے ہیں وہ باہر آنے کے لئے رشتے طے کر لیتے ہیں اور یہاں پہنچ کر پھر رشتے توڑ دیتے ہیں۔ کچھ بھی خوف نہیں ایسے لوگوں کو۔ ان لڑکوں کو کچھ تو خدا کا خوف کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے جن کے ساتھ آپ کے رشتے طے ہوئے، آپ پر احسان کیا ہے کہ باہر آنے کا موقعہ دیا ہے۔ تعلیمی قابلیت تمہاری کچھ نہیں تھی۔ ایجنٹ کے ذریعے سے آتے تو پندرہ بیس لاکھ روپیہ خرچ ہوتا، مفت میں یہاں آ گئے کیونکہ اکثر لڑکے یہاں آنے والے ٹکٹ کا خرچہ بھی لڑکی والوں سے لے لیتے ہیں اور یہاں آ کر پھر یہ چالاکیاں دکھاتے ہیں۔ یہاں آ کر رشتے توڑ کر کوئی اپنی مرضی کا رشتہ تلاش کر لیتا ہے یا پہلے سے طے شدہ

پروگرام کے مطابق بعض رشتے ہو جاتے ہیں۔
اور بعض لوگ جو ہیں یہاں دوسری بیہودہ گوئیوں میں پڑ جاتے ہیں۔اور پھر ایسے لڑکوں کے ماں باپ بھی ساتھ شامل ہوتے ہیں چاہے وہ یہاں رہنے والے ہیں یا پاکستان میں رہنے والے ہیں ماں باپ۔
پھر بعض مائیں ہیں لڑکیوں کو خراب کرتی ہیں اور لڑکے سے مختلف مطالبات لڑکی کے ذریعے سے کرواتی ہیں۔کچھ خدا کا خوف کرنا چاہیئے ایسے لوگوں کو۔ پھر بعض لڑکے لڑکیوں کی جائیدادوں کے چکر میں ہوتے ہیں۔ بچے بھی ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی بجائے اس کے کہ بچوں کی خاطر قربانی دیں۔ قانون سے فائدہ اٹھا کر علیحدگی لے کر جائیداد ہڑپ کر لیتے ہیں اور اگر بیوی نے بے وقوفی میں مشترکہ جائیداد کر دی تو جائیداد سے فائدہ اٹھایا اور بچوں کو اور بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے۔
کچھ مرد غلط اور غلیظ الزامات لگا کر اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ایسے لوگوں کے تو قضاء کو case سننے نہیں چاہئیں جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں۔ان کو تو سیدھا action لے کر ان کے اخراج کی سفارش کرنی چاہیئے امیر صاحب کو۔غرض یہ کہ ایک گند ہے جو کینیڈا سمیت مغربی ملکوں میں پیدا ہو رہا ہے۔
اور پھر اس طبقے کے لوگ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتے ہیں۔بعض بچیوں کے جب دوسری جگہ رشتے ہو جاتے ہیں تو ان کو تڑوانے کے لئے غلط قسم کے خط لکھ رہے ہوتے ہیں۔تو کوئی خوف نہیں ایسے لوگوں کو، اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کی انہیں کوئی بھی فکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سایہء رحمت سے دور رہنے کی انہیں کوئی بھی پرواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے حکم کے خلاف اور بجائے اسکے کہ ایک دوسرے کی تکلیف کو محسوس کریں اور اس تکلیف پر ایک جسم کی طرح، جس طرح جسم کو کسی عضو کے بیمار ہونے کی تکلیف ہوتی ہے وہ محسوس کریں، بے چینی کا اظہار کریں۔ بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کی تکلیفوں کو سمجھیں، بے حسی میں پڑ جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تو تمام مومنوں کو یہ فرما رہے ہیں کہ ایک لڑی میں پروئے جانے کے بعد تم ایک دوسرے کی تکلیف محسوس کرو۔ میاں بیوی کا تو اس سے بھی زیادہ مضبوط بندھن ہے۔ یہ تو ایک معاہدہ ہے جس میں خدا کو گواہ ٹھہرا کر تم یہ اقرار کرتے ہو کہ ہم تقویٰ پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔تم اس اقرار کے ساتھ اپنے دل میں عہد و پیماں کر رہے ہوتے ہو کہ تقویٰ پر قائم رہتے ہوئے ہم اس فکر میں رہیں گے کہ ہم کن کن نیکیوں کو آگے بھیجنے والے ہیں۔وہ کونسی نیکیاں ہیں جو ہماری آئندہ زندگیوں میں کام آئیں گی۔ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے درجات کی بلندی کے کام بھی آئیں گی۔ ہماری نسلوں کو نیکیوں پر قائم رکھنے کے کام بھی آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی اس warning کے نیچے یہ عہد و پیماں کر رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خبیر ہے جو کچھ بھی تم اپنے زندگی کے ساتھیوں کے ساتھ کرو گے یا کر رہے ہو گے دنیا سے تو چھپا سکتے ہو لیکن خدا تعالیٰ کی ذات سے نہیں چھپا سکتے۔وہ تو جانتا ہے ہر چیز کو۔ دلوں کا حال جاننے والا ہے۔دنیا کو دھوکا دے سکتے ہو کہ میری بیوی نے یہ کچھ کیا تھا۔ یا بعض دفعہ بیویاں خاوند پر یہ الزام لگا دیتی ہیں لیکن اکثریت یہی ہے کہ بیویوں پر ظلم ہو رہا ہوتا ہے۔لیکن خدا تعالیٰ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔اکثر دیکھنے میں یہی آیا ہے جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ مرد عورتوں کو دھوکا دیتے ہیں۔
لڑکیاں بھی بعض اس زمرے میں شامل ہیں لیکن ان کی نسبت بہت کم ہے۔
اور پھر عہدیدار بھی غلط طور پر مردوں کی طرفداری کی کوشش کرتے ہیں۔ عہدیداروں کو بھی میں یہی کہتا ہوں کہ اپنے رویّوں کو بدلیں۔اللہ تعالیٰ نے اگر انہیں خدمت کا موقعہ دیا ہے تو اس سے فائدہ اٹھائیں۔یہ نہ ہو کہ ایسے تقویٰ سے عاری عہدیداروں کے خلاف مجھے تعزیری کارروائی کرنا پڑے۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوّام بنایا ہے۔ برداشت کا مادہ اس میں زیادہ ہوتا ہے۔اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اگر چھوٹی موٹی غلطیاں، کوتاہیاں بھی ہو جاتی ہیں تو ان کو معاف کرنا چاہیئے۔
ایک دفعہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں ایک صحابیؓ کی بیوی سے سختی کی باتوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ جو صحابہؓ پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات پر ا تنا رنج اور غصہ تھا کہ ہم نے کبھی ایسی حالت میں آپؑ کو نہیں دیکھا تھا۔ایک اور صحابیؓ وہاں اس مجلس میں بیٹھے تھے جو اسی طرح سختی سے اپنی بیوی سے بات کرتے تھے۔وہ اس کے حقوق کا خیال اچھی طرح سے نہیں رکھتے تھے۔بازار گئے، بیوی کے لئے کچھ تحفے تحائف لئے اور گھر جا کر اپنی بیوی کے سامنے رکھے اور بڑے پیار سے اس سے باتیں کرنے لگے۔ بیوی حیران پریشان کہ آج انکو یہ کیا ہو گیا ہے، کایا کس طرح پلٹ گئی جو اس طرح نرمی سے باتیں کر رہے ہیں۔آخر ہمت کر کے پوچھ لیا، پہلے تو جرأت نہیں پڑتی تھی، کہنے لگے آج حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیویوں پر سختی کرنے کی وجہ سے بہت غصے کی حالت میں دیکھا۔اس سے پہلے کہ

میری شکایت ہو میں اپنی حالت کو بدلتا ہوں۔ تو دیکھیں جس طرح آپؐ نے فرمایا کہ نمونہ بنیں، ان صحابیؓ نے فوراً توبہ کی اور نمونہ بننے کی کوشش کی۔ آج آپ میں سے اکثریت بھی جو یہاں بیٹھی ہوئی ہے یا کم از کم کافی تعداد میں لوگ ایسے ہیں جو ان صحابہؓ کی اولاد میں سے ہیں جنہوں نے بیعت کے بعد نمونہ بننے کی کوشش کی اور بنے۔ آپ بھی اگر اخلاص کا تعلق رکھتے ہیں اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں داخل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ نیکیاں اختیار کریں۔ آج عہد کریں کہ ہم نے نیکیوں کے نمونے قائم کرنے ہیں۔ اپنی بیویوں کے قصور معاف کرنے ہیں۔ اور جو لڑکی والے ہیں زیادتی کرنے والے وہ عہد کریں کہ لڑکے والوں کے قصور معاف کرنے ہیں۔

اِن جھگڑوں کی وجہ سے معاشرے میں جو تلخیاں ہیں وہ دور ہوسکتی ہیں اگر ختم کردیں ایسی چیزوں کو۔ اگر ان عائلی جھگڑوں میں میاں بیوی کے جھگڑوں میں علیحدگی تک بھی نوبت آگئی ہے تو ابھی سے دعا کرتے ہوئے، اس نیک ماحول کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، دعاؤں پر زور دیتے ہوئے ان پھٹے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کریں۔ اور اسی طرح بعض اور وجوہ سے بھی معاشرے میں جو تلخیاں پیدا ہوئی ہیں، جھوٹی اناؤں کی وجہ سے جو نفرتیں معاشرے میں پنپ رہی ہیں، جو پیدا ہو رہی ہیں ان کو دور کریں۔ ایک دوسرے کی غلطیوں، زیادتیوں اور کوتاہیوں سے پردہ پوشی اختیار کریں۔ نیچا دکھانے کے لئے ایک دوسرے کو ان کی برائیاں مشہور کرنے کے بجائے پردہ پوشی کا راستہ اختیار کریں۔ ہر ایک کو اپنی برائیوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف کرنا چاہئے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی یکا و تنہا چھوڑتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روی میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجات پوری کرتا جاتا ہے۔ اور جس نے مسلمان کی کوئی تکلیف دور کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے مصائب میں سے ایک مصیبت کم کردے گا اور جو کسی مسلمان کی ستّاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستّاری فرمائے گا۔‘‘

پس اپنے دل میں ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ اللہ تعالیٰ جو علیم بھی ہے، خبیر بھی ہے اس کو سب علم ہے کہ ہم کیا کرتے ہیں کیا نہیں کرتے، اگر اس نے آپ کی برائیوں کو دنیا پر ظاہر کردیا تو آپ کا کیا حال ہوگا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد ستّاری فرمائے تو اس سے زیادہ اور بڑی چیز کیا ہوسکتی ہے۔ انسان گناہگار ہے، غلطی کا پتلا ہے۔ اس سے اگر اللہ تعالیٰ حساب لینے لگ جائے اور ستاری نہ فرمائے تو کیا رہ جاتا ہے۔ پس آپس میں ایسی محبت پیدا کریں کہ دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں۔ دوسرے کی ضروریات کو اسلئے پورا کریں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ہمدردی آپ کو بھی اللہ کے قریب کرنے کا باعث بنے گی۔ اور آپ کی ضرورتیں بھی اللہ تعالیٰ پوری فرماتا رہے گا۔ دوسروں کی تکلیف دور کرنے سے اللہ تعالیٰ آپ کی تکلیفیں دور فرمائے گا اور سب سے بڑی بات جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ وہ قیامت کے دن ستاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس زمرے میں شامل فرمائے جن سے ہمیشہ ستاری اور مغفرت کا سلوک ہوتا رہے گا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے مطابق، آپؑ کی خواہش کے مطابق ایسی جماعت بنیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والی بھی ہو اور بندوں کے حقوق ادا کرنے والی بھی ہو۔ آپس میں محبت اور اخوت کی اعلیٰ مثالیں قائم کرنے والی بھی ہو۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

’’تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولا کریم اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے اور ایسی حالتِ انقطاع پیدا ہو جائے کہ سفرِ آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔‘‘

پس ہم میں سے ہر ایک کو اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور یہ ماحول تو یہاں میسر آگیا ہے۔ تو ان تین دنوں میں دنیا داری سے ہٹ کر خالص اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے، اس کے حضور جھکتے ہوئے، اس سے مدد مانگتے ہوئے اس غرض کو پورا کرنے کی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی محبت سب محبتوں پر غالب آجائے۔ اور یہ محبت غالب نہیں ہوسکتی اس وقت تک جب تک دنیا کی محبت ٹھنڈی نہ ہو۔ اگر نمازیں پڑھ رہے ہیں اور اس طرح پڑھ رہے ہیں جلدی جلدی

کہ دنیا کے کام کا حرج نہ ہو جائے یہ تو انقطاع نہیں ہے۔ یہ تو دنیا سے تعلق توڑنے والی بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیاوی کاموں کو جائز اقرار دیتا ہے بلکہ یہ بھی ناشکری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کام کے جو موقعے آپ کو دئے ہیں ان سے پورا فائدہ نہ اٹھایا جائے لیکن اگر یہ کام، یہ کاروبار، یہ جائیدادیں خدا تعالیٰ سے دور لے جانے والی ہیں تو پھر ایسے کام بھی، ایسی ملازمتیں بھی، ایسے کاروبار بھی، ایسی جائیدادیں بھی پھینک دینے کے لائق ہیں۔ اگر ملازمتوں میں، کاروباروں میں بھی خدا تعالیٰ کو بُھلا کر دھوکے اور فراڈ کئے جا رہے ہیں تو ایسے کاروبار اور ملازمتوں پر لعنت ہے۔ لیکن اگر یہی کام، یہی کاروبار، یہی جائیدادیں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کا باعث بن رہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے کا باعث بن رہی ہیں تو یہ ایسی چیزیں ہیں جو بندے کو خدا تعالیٰ کے سایہء رحمت میں رکھیں گی اور سایہء رحمت میں رکھنے کے قابل بنا رہی ہیں۔ پس احمدی کی دنیاداری بھی دین کی خاطر ہونی چاہیئے۔

پھر ایک اور جگہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"اس جماعت کو طیار کرنے سے غرض یہی ہے کہ زبان، کان، آنکھ اور ہر ایک عضو میں تقویٰ سرایت کر جاوے۔ تقویٰ کا نور اس کے اندر اور باہر ہو۔ اخلاقِ حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو اور بے جا غصہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ جماعت کے اکثر لوگوں میں غصہ کا نقص اب تک موجود ہے۔ تھوڑی تھوڑی سی بات پر کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جماعت میں سے کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کیا دقّت پیش آتی ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو دوسرا چُپ کر رہے اور اس کا جواب نہ دے۔

ہر ایک جماعت کی اصلاح اول اخلاق سے شروع ہوا کرتی ہے۔ چاہیئے کہ ابتداء میں صبر سے تربیت میں ترقی کرے اور سب سے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اگر کوئی بدگوئی کرے تو اس کے لئے دردِ دل سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیوے اور دل میں کینہ کو ہرگز نہ بڑھاوے۔ جیسے دنیا کے قانون ہیں ایسے ہی خدا کا بھی قانون ہے۔ جب دنیا اپنے قانون کو نہیں چھوڑتی تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو کیسے چھوڑے۔ پس جب تک تبدیلی نہ ہوگی تب تک تمہاری قدر اس کے نزدیک کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حلم، اور صبر اور عفو جو کہ عمدہ صفات ہیں ان کی جگہ درندگی ہو۔ اگر تم ان صفاتِ حسنہ میں ترقی کرو گے تو بہت جلدی خدا تک پہنچ جاؤ گے لیکن مجھے افسوس ہے کہ جماعت کا ایک بڑا حصہ ابھی تک ان اخلاق میں کمزور ہے۔ ان باتوں سے صرف شماتتِ اعداء ہی نہیں بلکہ ایسے لوگ خود بھی قرب کے مقام سے گرائے جاتے ہیں۔ پس ہم میں سے ہر ایک اس وقت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں سے کہلا سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد اعلیٰ اخلاق بھی اپنائے جائیں۔

دراصل اعلیٰ اخلاق بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کا ہی ایک حصہ ہیں کیونکہ اعلیٰ اخلاق بھی تقویٰ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر ایسی محبت اور اس کے نتیجے میں تقویٰ کے اعلیٰ معیار قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جن برائیوں کا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا ہے ان سے مکمل بچنے والے ہوں۔ اپنے دلوں کو کینوں اور بغضوں سے پاک کرنے والے ہوں۔ اپنی ذاتی رنجشوں کو جماعتی رنگ دینے والے نہ ہوں۔ کسی عہدیدار سے ذاتی عناد یا رنجش کی وجہ سے اس عہدیدار کی حکم عدولی کرنے والے نہ ہوں اور اسی طرح عہدیداران بھی اپنی کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے کسی کے خلاف ایسی کارروائی نہ کریں جس سے ان کے عہدے کا ناجائز استعمال ظاہر ہوتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اگر یہ موقعہ دیا ہے کہ وہ جماعتی عہدیدار بنایا گیا ہے اس پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ نہ کہ اس وجہ سے گردنیں اکڑ جائیں۔ اور تکبر اور رعونت پیدا ہو جائے۔

جماعتی عہدیداران کو اپنی عبادتوں میں بھی اور اعلیٰ اخلاق میں بھی ایک نمونہ ہونا چاہیئے۔ عاجزی اور انکساری کے بھی اعلیٰ معیار قائم کرنے چاہئیں۔ عدل وانصاف کے بھی تمام تقاضے پورے کرنے چاہئیں۔ پس جہاں ایک عام احمدی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرے، صبر سے کام لے، ایک دوسرے کے قصوروں کو معاف کرنے کی عادت ڈالے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش کے مطابق جماعت کا فرد بنے تاکہ دشمن کے ہنسی ٹھٹھے سے بھی بچے کیونکہ جب احمدی اتنے دعووں کے بعد ایسی غلطیاں کرتا ہے تو دشمن کے لئے جماعت پر انگلیاں اٹھانے کا باعث بنتا ہے۔ مخالفین کے لئے جماعت پر انگلیاں اٹھانے کا باعث بنتا ہے۔ اور کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی جماعت کی غیرت رکھتا ہے ایسی حرکتوں کی وجہ سے وہ احمدی جس نے دشمن

کو ہنسی کا موقعہ دیا ہے اللہ تعالیٰ کے قرب سے گر جاتا ہے۔ تو جب ایک عام احمدی کی ایسی حرکتوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا تو جو عہدیدار ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں زیادہ ہیں اسلئے ان کو اور زیادہ استغفار کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا اہل بنائے کہ اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کر سکیں اور یہ جلسے کے جو دن ہمیں میسر آئے ہیں ان کو کھیل کود اور گپیں لگانے اور مجلسیں لگانے میں ضائع کرنے کے بجائے دعاؤں اور اپنی اصلاح کی کوشش میں گزاریں۔ جلسے کے تمام پروگرام کسی نہ کسی رنگ میں علم اور روحانیت میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ اس سے بھر پور فائدہ اٹھائیں۔ اس سوچ میں نہ رہیں کہ فلاں مقرر اچھی تقریر کرتا ہے اس کی تقریر سننی ہے، فلاں کی نہیں سننی بلکہ تمام پروگرام سنیں۔

خواتین بھی اپنی گپوں کی محفلوں کے بجائے ان دنوں کو روحانیت بڑھانے میں صرف کریں۔ کیونکہ ان کی مجلسیں زیادہ لگ رہی ہوتی ہیں۔ دعاؤں میں وقت گزاریں۔ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے، جماعت کے لئے، بھائیوں اور بہنوں کے لئے دعائیں کریں، اس سے بھی ایک تعلق کا، محبت کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ جن کے خلاف ایک دوسرے کو شکوے شکائتیں ہیں ان کے لئے بھی دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے، دعاؤں کو سننے والا بھی ہے، قبول کرنے والا بھی ہے۔ آپ کی نیک نیتی سے کی گئی دعاؤں کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں میں تبدیلی پیدا ہو جائے جن کے خلاف شکوے شکائتیں ہیں وہ دور ہو جائیں۔ جب نیک نیتی سے ہر کوئی دعائیں کر رہا ہوگا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو قبولیت کا درجہ دے گا اور آپ کی اس سوچ سے یقیناً اللہ رحمت کی بارش برسائے گا۔

پس میں پھر کہتا ہوں کہ ان دنوں کو عبادتوں اور ذکرِ الٰہی میں گزاریں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قرب کے نمونے قائم کریں اور اعلیٰ اخلاق کے نمونے بھی قائم کریں۔ اور دشمن کو شماتت کا موقعہ دینے کے بجائے، ہنسی ٹھٹھے کا موقعہ دینے کے بجائے اس جلسے کو اپنے اندر پاک تبدیلیوں کا ایک نشان بنا دیں۔ اور دنیا پر ثابت کر دیں کہ وہ مسیح جس نے اس دنیا میں آ کر پاک تبدیلیاں پیدا کرنی تھیں اور پاک نمونے قائم کرنے تھے، ہم ہیں جو اس کے مصداق ٹھہریں گے اور ہم کبھی اپنے اندر سے ان پاک تبدیلیوں کو مرنے نہیں دیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

رضائے الٰہی اور قربِ خداوندی کے حصول کی کوشش

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ رات کو اٹھ کر نماز پڑھتے یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں متورم ہو کر پھٹ جاتے۔ ایک دفعہ میں نے آپؐ سے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! آپ کیوں اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے پچھلے سب قصور معاف فرما دیئے ہیں یعنی ہر قسم کی غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھنے کا ذمہ لیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا، کیا میں یہ نہ چاہوں کہ اپنے ربّ کے فضل واحسان پر اس کا شکر گزار بندہ بنوں۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الفتح، مسلم)

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص کوئی نیکی کرتا ہے اس کو دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب میں دوں گا۔ اور اگر وہ برائی کرتا ہے تو اس کو اس برائی کے برابر سزا دوں گا یا اسے بخش دوں گا۔

اور جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اور جو میرے پاس چلتے ہوئے آتا ہے میں اس کے پاس دوڑتے ہوئے جاتا ہوں اور اگر کوئی شخص دنیا بھر کے گناہ لے کر میرے پاس آئے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو میں اس کے ساتھ اتنی ہی بڑی مغفرت اور بخشش سے پیش آؤں گا اور اسے معاف کر دوں گا۔

(مسلم کتاب الذکر و الدعا، باب فضل الذکر و الدعا)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی کسی کی بے چینی اور اس کے کرب کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے کرب اور اس کی بے چینی کو دور کر دے گا۔ اور جو شخص کسی تنگ دست کے لئے آسانی مہیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لئے آسانی اور آرام کا سامان بہم پہنچائے گا اور جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

(ترمذی کتاب البرو الصلۃ باب فی الستر علی المسلمین)

خدا کے فضل سے پھر جلسہ سالانہ آتا ہے

حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکملؓ

خدا کے فضل سے پھر جلسہ سالانہ آتا ہے
کہ جس کے فیض پانے کو ہر ایک فرزانہ آتا ہے

یہ وہ شمع فروزاں ہے جو ہے نور علیٰ نور
فدا ہونے کو مومن اس پر جوں پروانہ آتا ہے

میں نقدِ جاں کو لے کر اس کے استقبال کو جاؤں
کہ لے کر تحفۂ اخلاص ہر مستانہ آتا ہے

زباں گندی کرے اپنی، زباں بندی کرے میری
یہ دشمن یاد رکھے حق ظفر مندانہ آتا ہے

مقابل پر جو اٹھتا ہے وہ آخر منہ کی کھاتا ہے
سروشا رکھتے ہیں بے سرو سامانہ آتا ہے

نہیں ہے خوفِ مرتداں کہ دیکھا پچھلے برسوں میں
جو اک ملکانہ جاتا ہے تو سو ملکانہ آتا ہے

مبدل ہو چکے حالات لیکن پھر بھی قدعے میں
یگانہ ہو کے جاتا ہے جو یاں بیگانہ آتا ہے

ہمارا دائمی مرکز رہے گا تا ابد قائم
یہ درویشی کا مسکن تو نظر شاہانہ آتا ہے

دمِ تقریر گویا پھول جھڑتے منہ سے احمدؑ کے
بہا دی ابرِ باراں جوں بصد دردانہ آتا ہے

میں جب بھی دیکھتا ہوں آسماں پر چاند چودس کا
تو مجھ کو یاد اکمل جلوۂ جانانہ آتا ہے

خدا وہ دن بھی لائے دیکھ کر اکمل پکار اٹھیں
مسیح و مہدیٔ موعودؑ کا دیوانہ آتا ہے

رضؓ
(نغمۂ اکمل صفحہ452مجموعہ کلام حضرت قاضی محمد ظہورالدین اکمل)

مدینہ منوّرہ کی ضیافتیں

مولاناهادی علی چوهدری جامعه احمدیه کینیڈا

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی ضیافت

آنحضرت ﷺ نے جب مکّہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں مقیم ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت زید بن ثابتؓ نے آپؐ کی خدمت میں کھانے کا ہدیہ پیش کیا جواُن کی والدہؓ نے بھجوایا تھا۔ مدینہ میں یہ آپؐ کی پہلی ضیافت تھی۔ یہ ہدیہ ایک بڑا پیالہ ثرید کا تھا جس میں روٹی، گھی اور دودھ تھا۔ ابھی یہ دروازے سے ہٹے نہ تھے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ بھی ثرید اور گوشت لے کر پہنچ گئے۔ یہ آپؐ کی دوسری ضیافت تھی۔ پھر اپنے آقاؐ کی محبت میں ایسا تسلسل بن گیا کہ کوئی شب ایسی نہ ہوتی کہ آپؐ کے دروازے پر تین چار صحابہؓ کھانے کا ہدیہ لے کر نہ پہنچتے ہوں۔ اس صورتحال کی وجہ سے انہوں نے باریاں مقرر کرلیں۔ ہر کوئی اپنی باری پر آپؐ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ پیش کرنے کے لئے لے آتا۔

(ابنِ سعد ذکر خروج رسول اللہ ﷺ و ابی بکرؓ الی المدینۃ للہجرۃ)

یہ سلسلہ کچھ عرصہ چلتا رہا حتّٰی کہ آپؐ ایک الگ مکان میں منتقل ہوگئے۔ وہاں بھی صحابہؓ آپؐ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ بھجواتے رہتے تھے۔ اسی اثناء میں آپؐ کے مستقل گزارہ کے لئے انصار میں سے بعض نے اپنے کھجور کے درختوں میں سے نشان لگا کر ایک ایک درخت آنحضرت ﷺ کے لئے الگ کردیا تھا جس کا پھل خالصۃً آپؐ اور آپؐ کے اہلِ بیت کے لئے ہوتا تھا۔ جب یہ پھل اترتا تو آپؐ کے گھر پہنچا دیا جاتا۔ جب آپؐ کو خدا تعالیٰ نے بنونضیر وغیرہ کی املاک عطا کیں تو آپؐ نے انصار کو ان کے درخت واپس لوٹا دیئے۔

(مسلم کتاب الجهاد والسیر باب ردّ المهاجرین الیٰ الانصار منائحهم من الشجر)

انصارؓ کی طرف سے آپؐ کی ضیافت کا یہ دور ختم ہوا تو آپؐ خود سب سے بڑے میزبان بن گئے۔ اور مہمانوں کے لحاظ سے بھی آپؐ کے ہاں "تَهْوِي إِلَيْكَ الزُّمَرُ بِالْكِيْزَانِ" کا نظارہ نظر آتا ہے۔ کہ لوگ گروہ در گروہ کوزے لئے ہوئے تیری طرف لپک رہے ہیں۔

دنیا کا سب سے بڑا مہمان نواز

مدینہ میں ابتداء ہی سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے۔ آپؐ خود ان مہمانوں کے لئے ضیافت کے سامان فرماتے تھے۔ بنوسعد بن بکر کے سردار ضمام بن ثعلبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے ہاں مقیم ہوئے اور اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی طرح بکثرت مہمانوں اور مسافروں کی ضیافت آپؐ کے گھر میں ہوتی تھی۔

حضرت مقداد بن الاسودؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بھوک کی شدّت کا ماجرا سنایا۔ آپؐ انہیں اپنے گھر لے گئے اور اپنی چار بکریوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کا دودھ خود بھی پیو اور ہمیں بھی پلاتے رہو اور یہیں رہو۔ چنانچہ ہم کئی دن آپؐ کے گھر رہے اور بکریوں کا دودھ پیتے رہے۔

(ترمذی ابواب الاستئذان باب کیف السلام)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اردگرد ہمیشہ ایسے لوگ رہتے تھے جن کے کھانے کی حاجتیں آپؐ پوری فرماتے تھے۔ آپؐ کے پاس مہمان بھی کثرت سے آتے تھے اور آپؐ کبھی کوئی کھانا نہ کھاتے تھے کہ جس میں آپؐ کے ہمراہ دستر خوان پر اور لوگ نہ ہوتے ہوں۔ ان میں بہت سے وہ ہوتے تھے جو حاجتمند تھے اور مسجد سے آپؐ کے نکلتے وقت بھوک کے باعث آپؐ کے ساتھ ہو لیتے تھے۔

(ابنِ سعد ذکر شدّۃ العیش علی رسول اللہ ﷺ)

اصحاب صفّہ بھی تھے جن کو اکثر آپؐ کے گھر سے کھانا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام عمومی طور پر حضرت بلالؓ کے سپرد تھا لیکن آپؐ خود نگرانی فرماتے اور مہمانوں کا خیال رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی یہ طرزِ ضیافت تھی جو سراپا رحمت تھی جس کا جلوہ ہر ضرورت مند مقیم پر بھی ظاہر ہوتا تھا اور مدینہ میں باہر سے آنے والے ہر مہمان پر بھی۔ وہ مہمان خواہ انفرادی طور پر مدینہ منوّرہ میں وارد ہوتے یا کثیر التعداد وفود کی صورت میں، وہ ایک مفلوک الحال غریب انسان ہوتا یا کسی قبیلہ کا سردار یا کسی قوم کا بادشاہ، آپؐ ہر مہمان کا خیال رکھتے اور ان کے قیام و طعام اور دیگر سہولیات کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے۔ آپؐ عموماً یہ تاکید فرماتے کہ اسے اچھی جگہ ٹھہرایا جائے اور ان کی اچھی ضیافت کی جائے۔ آپؐ ہمیشہ مہمانوں کو تحائف دے کر رخصت فرماتے۔ روایت ہے کہ

قبیلہ بلیّ جو شام کی حدود پر آباد تھا۔ اس کا ایک وفد ربیع الاوّل 9 ہجری میں آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے مدینہ منوّرہ آیا اور حضرت رویفع بن ثابتؓ کے مکان پر اترا۔ حضرت رویفعؓ بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور قبل ازیں مسلمان ہو کر مدینہ میں آباد ہو چکے تھے۔ آپؓ ارکانِ وفد کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ یہ ان کی اپنی قوم کے لوگ ہیں۔ آپؐ نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کے سامنے اسلام کے محاسن بیان فرمائے۔ وفد نے اسلام قبول کیا اور دین کی تعلیم حاصل کی۔ آپؐ سے رخصت ہو کر جب یہ حضرت رویفعؓ کے مکان میں واپس آئے تو آپؐ ان کی ضیافت کے لئے خود کھجوریں لے کر ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وفد نے مدینہ میں تین دن قیام کیا۔ جب رخصت ہونے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں اجازت کے ساتھ تحائف سے بھی نوازا۔

(ابن سعد ذکر وفادات العرب و زاد المعاد)

آنحضرت ﷺ کے مستقل طریق اور مسلسل سنّت میں سے آپؐ کی ضیافت کی ایک غیر معمولی مثال یہ بھی ہے کہ حضرت نجاشیؓ نے اپنے بیٹے اَرمی بن الاصحمہ کو ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ ایک بحری قافلہ میں مدینہ بھجوایا۔ سوءِ قسمت یہ قافلہ سمندر میں غرق ہو گیا اور اس میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ (الاصابہ واسد الغابہ ذکر اَرمیٰ) لیکن حبشہ سے حضرت نجاشیؓ کے بھیجے ہوئے ایک وفد کی آمد کا ذکر ملتا ہے جو مدینہ آیا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ قافلہ جس میں اَرمی بن الاصحمہؓ تھے، اسی میں سے بعض کشتیاں تھیں جو غرقابی سے بچ گئی تھیں، جن میں سوار کچھ لوگ مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے یا یہ کوئی اور وفد تھا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت نجاشیؓ کے بھجوائے ہوئے اس وفد کی بیحد تکریم فرمائی اور آپؐ خود ان کی ضیافت فرماتے۔ صحابہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ان کی خدمت کے لئے کیا ہم موجود نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: انہوں نے (حبشہ میں) میرے صحابہؓ کی خدمت کی تھی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں خود ان کا خیال رکھوں۔

(ابنِ کثیر باب ہجرۃ من ھاجر من اصحاب رسول اللہ ﷺ... الیٰ الحبشہ ...، فضائل النجاشی)

شہنشاہِ دو جہاں کی عجیب شانِ دلربائی ہے کہ دنیا کے ایک پورے خطّہ کی حکمرانی کے ساتھ ساتھ آپؐ انکساری کے اس عظیم مقام پر فائز تھے کہ نسلِ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپؐ اپنے خادموں کی خدمت کرنے والوں کی خدمت پر بنفسِ نفیس مامور تھے۔ آپؐ کے اس عمل اور عظیم الشان نمونہ نے ایک طرف دنیا میں مہمان کی عظمت کو قائم کیا اور دوسری طرف ہر بلند مقام اور منصب پر فائز مسلمان کے لئے مہمانوازی اور ضیافت کا منفرد اور اعلیٰ ترین نمونہ قائم فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

خواجہ و مر عاجزاں را بندۂ   بادشاہ و بیکساں را چاکرے

آں ترحّمہا کہ خلق از وے بدید   کس نہ دیدہ در جہاں از مادرے

ناتواناں را برحمت دستگیر   خستہ جاناں را بہ شفقت غمخورے

کہ وہؐ اگرچہ آقا ہے مگر کمزوروں کی بندہ پروری کرتا ہے۔ وہؐ بادشاہ ہے مگر بیکسوں کا خدمتگزار ہے۔ وہ مہربانیاں جو مخلوقِ خدا نے اسؐ سے دیکھیں وہ کسی نے اپنی ماں سے بھی نہ پائی تھیں۔ وہؐ رحمت کے ساتھ کمزوروں کا ہاتھ پکڑنے والا اور ناامیدوں کے لئے پُرشفقت غمخوار ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

آپؐ کی ایک یہ بھی سنت تھی کہ کوئی مہمان یا کوئی وفد آپؐ سے ملنے کے لئے آتا تو آپؐ اس کا استقبال فرماتے اور صحابہؓ کو بھی ان کے استقبال کے لئے بلاتے۔ چنانچہ عرب میں یمن کے مشرق میں ایک وسیع ریاست تھی جو قبیلہ بنو حضرموت کے نام پر حضرموت کہلاتی تھی۔ بنو حضرموت نے اس علاقہ پر ایک لمبا عرصہ حکومت کی تھی اور وہ سلطنت قبل از اسلام زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اس قبیلہ کا ایک وفد فتح مکّہ کے بعد حضرت وائل بن حُجرؓ کی سربراہی میں مدینہ حاضر ہوا۔ حضرت وائل بن حُجرؓ حضرموت کے شاہی خاندان کے ایک فرد تھے۔ گو وہاں ان کی بادشاہت ختم ہو چکی تھی لیکن یہ ابھی تک وہاں کے رؤساء میں شمار ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے یمن کے مختلف علاقوں میں اپنے خطوط اور مبلّغوں کے ذریعہ اسلام کا پیغام پہنچانے کی مہم جاری فرمائی۔ جب حضرت وائلؓ کو اسلام کی دعوت پہنچی تو آپؓ نے بلا تاخیر اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ کو حضرت وائلؓ کی آمد کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہؓ کو بھی ان کی آمد سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ’’تمہارے پاس بادشاہوں کی اولاد میں ایک شخص آئے گا۔‘‘ چنانچہ جب یہ مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے اہلِ مدینہ کو جمع کیا اور ان کا شایانِ شان استقبال کیا اور ان کے لئے اپنی چادر بچھا دی۔ آپؐ نے ان کی آمد پر مسجد میں اعلان فرمایا:

’’یہ وائل بن حُجر ہے جو اسلام کی محبّت اور رغبت میں حضرموت سے تمہارے پاس آیا ہے۔‘‘

حضرت وائلؓ نے اپنے تمام اراکینِ وفد کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپؐ نے حضرت وائلؓ کے چہرہ پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور دعا کی:

’’اے اللہ! وائل پر اور ان کی اولاد در اولاد پر برکتیں نازل فرما اور انہیں حضرموت کے رؤساء کا رئیس بنا۔‘‘

آپؐ نے ان کے قیام وغیرہ کا بھی بہترین انتظام کروایا اور حضرت معاویہؓ کو ان کی ضیافت پر مقرر فرمایا۔ حضرت وائلؓ نے مدینہ میں چند دن قیام کے بعد جب واپسی کا ارادہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں تحائف سے بھی نوازا۔

مدینہ کے دار الضیافت

آنحضرت ﷺ مہمانوں کو خود اپنے ہاں بھی لے جاتے تھے اور صحابہؓ کے سپرد بھی فرمادیا کرتے تھے۔ اس کے لئے آپؐ کا طریق یہ تھا کہ یا تو آپؐ اعلان فرما دیتے تھے کہ کون ہے جو اس مہمان کو اپنے ساتھ لے جائے۔ ایسی صورت میں صحابہؓ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپؐ کی آواز پر لبیک کہتے۔ یا پھر آنحضرت ﷺ مہمان کو خود کسی کے سپرد فرماتے۔ بعض اوقات آپؐ کے مہمان اپنے ذاتی تعارف یا دیرینہ تعلق کی بنا پر از خود صحابہؓ کے پاس قیام کرتے اور بسا اوقات مہمان ایک اجنبی کی طرح مدینہ میں آتا تو جس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتا، وہ صحابیؓ اسے اپنا مہمان بنا لیتا۔ اس کے علاوہ دو گھر ایسے تھے جو گویا مستقل دار الضیافت تھے۔ ان میں سے ایک گھر حضرت حارثہؓ النعمانؓ کا تھا اور دوسرا حضرت رملہ بنت الحارثؓ کا۔ اسی طرح کئی مرتبہ مسجدِ نبوی بھی مہمانوں کی قیام گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ مثلاً بنو ثقیف جو طائف کا سب سے بڑا اور جنگجو قبیلہ تھا اور بہت بڑی اہمیّت کا حامل تھا۔ رمضان 9ہجری میں اس قبیلہ کا انیس (19) ارکان پر مشتمل ایک وفد مدینہ آیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کا سربراہ عبدِ یالیل تھا۔ یہ طائف کا رئیس اعظم تھا اور یہ وہی شخص تھا جسے نبوّت کے ابتدائی سالوں میں طائف پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام دی تھی۔ اس وقت اِس نے نہ صرف یہ کہ آپؐ کی دعوت کو گستاخی کے ساتھ ردّ کر دیا تھا بلکہ آپؐ کو شہر سے نکل جانے پر بھی مجبور کیا تھا اور پھر آوارہ آدمی آپؐ کے پیچھے لگا دیئے تھے۔ جنہوں نے مسلسل تین میل تک آپؐ کا پیچھا کیا۔ ان بدبختوں نے آپؐ پر پتھر برسائے۔ اس سے آپؐ کا بدن مبارک خون سے تر بتر ہو گیا۔ آپؐ نے اس کے بدلہ میں ان کی ہلاکت کی نہیں بلکہ ان کی ہدایت کے لئے دعا کی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیّت بخشا۔ آج وہی شخص ایک وفد کے ہمراہ صرف اپنی اطاعت کا سوالی بن کر ہی نہیں، بلکہ آپؐ کی غلامی کا جؤا بھی پہننے کے لئے آپؐ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا تھا۔

جب مکّہ فتح ہوا تو اس کے فوراً بعد بنو ثقیف سمیت قبائلِ ہوازن کو حنین میں عبرت ناک شکست ہو چکی تھی۔ اس کے بعد جلد ہی عرب کا بیشتر حصّہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا تھا۔ ان حالات میں بنو ثقیف کو اپنی حیثیت کا پورا اندازہ ہو چکا تھا چنانچہ انہوں نے بھی مدینہ کا رُخ کیا۔ عبد یالیل کی سربراہی میں جب یہ وفد مدینہ کے قریب

’ذی حرض‘ میں پہنچا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو بنوثقیف سے تھے، وہاں اونٹنیاں چرا رہے تھے۔ حضرت مغیرہؓ کو بنوثقیف کے وفد کی مدینہ میں آمد سے اتنی خوشی ہوئی کہ آپؓ فوراً آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دینے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ راستہ میں آپؓ کو حضرت ابوبکرؓ مل گئے۔ آپؓ نے پوچھا: خیر تو ہے کہ ایسے بھاگے جا رہے ہو۔ حضرت مغیرہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو بتایا تو آپؓ بھی بیحد خوش ہوئے اور آپؓ نے خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ خوش خبری پہنچائی۔ آپؐ کو بھی اس وفد کی آمد کی خبر سے بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ یہ وفد مدینہ پہنچا تو آنحضرت ﷺ نے اسے خوش آمدید کہا اور اس کے لئے مسجد میں ہی خیمہ لگوا دیا تا کہ وہ وہاں رہ کر نماز کی ادائیگی دیکھ سکیں، قرآن سن سکیں اور زیادہ سے زیادہ دین سیکھ سکیں۔ آپؐ خود ان کی ضیافت کی نگرانی فرماتے اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزارتے تا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ محاسن و تعلیمِ اسلام سے آراستہ کر سکیں۔

(ابنِ سعد و ابنِ ہشام وفد بنو ثقیف)

بسا اوقات مہمان مدینہ میں اجنبی کی طرح وارد ہوتے تو جس کے گھر کا وہ دروازہ کھٹکھٹاتے، وہ صحابیؓ انہیں اپنا مہمان بنا لیتا۔ چنانچہ قبیلہ بنو بہراء، جو بنو بلیؔ کی طرح قبیلہ بنو قضاعہ کا ذیلی قبیلہ تھا اور مدین سے آگے شام کی سرحدوں پر عقبہ اور اَیلہ تک مقامات میں پھیلا ہوا تھا۔

9 ہجری میں اس قبیلہ کا تیرہ افراد پر مشتمل ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے مدینہ وارد ہوا۔ انہوں نے اپنے اونٹ حضرت مقداد بن الاسودؓ کے گھر کے سامنے بٹھا دیئے۔ حضرت مقدادؓ نے ان کو مدینہ میں خوش آمدید کہا اور اپنا مہمان بنا لیا۔ حضرت مقدادؓ وہی فدائی صحابی ہیں جو کچھ عرصہ پہلے بھوک سے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کے مہمان بنے رہے تھے اور آج وہ خود آنحضرت ﷺ کے مہمانوں کے میزبان تھے۔ آپؓ نے کھجور، ستو اور گھی سے حَیس تیار کر کے ان مہمانوں کو پیش کیا۔ انہیں یہ کھانا بیحد پسند آیا۔ حضرت مقدادؓ نے اس حیس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی بھجوایا۔ آپؐ نے حَیس کھا کر برتن حضرت مقدادؓ کو واپس بھجوا دیا۔ حضرت مقدادؓ اپنے مہمانوں کو کھانا اسی برتن میں پیش کرتے جسے وہ خوب سیر ہو کر کھاتے مگر کھانے میں کمی نہ آتی اور کھانے کی لذّت بھی بیحد ہوتی۔ ایک دن انہوں نے حضرت مقدادؓ سے پوچھا کہ ہم نے تو سنا تھا کہ مدینہ والے بہت سادہ خوراک کھاتے ہیں لیکن تم تو ہمیں بہت لذیذ اور پُر تکلّف کھانا کھلاتے ہو۔ حضرت مقدادؓ نے بتایا کہ اس برتن میں سے آنحضرت ﷺ نے کھایا ہے اور اسے آپؐ کی مبارک انگلیاں لگی ہیں۔ یہ سب لذّت اور برکت آپؐ ہی کی برکت سے ہے۔

حضرت مقداد بن الاسودؓ کی تبلیغ کے ذریعہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد انہوں نے چند دن مدینہ میں ٹھہر کر قرآن کریم سیکھا اور اسلام کی تعلیم سے روشناس ہوئے۔ واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ نے انہیں تحائف عطا کئے۔

(ابن سعد ذکر الوفود)

اکثر اوقات آنحضرت ﷺ مہمانوں کا انتظام خود کسی صحابیؓ کے سپرد فرماتے چنانچہ اَیلہ، تبوک سے شمال مغربی جانب خلیج عقبہ کے اوپر ریاست تھی۔ اس ریاست کا نام اس کے ایک چھوٹے سے شہر ایلہ کے نام پر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ یہود کی وہی بستی تھی جہاں پر یہود کے لئے سبت کے دن مچھلی کا شکار ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اس حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں خسارہ پانے والے بندر قرار دیا گیا تھا۔ اب یہ بستی سلطنتِ روما کے تحت تھی اور اس کا حاکم یحنّہ (یوحنّا) بن رُوبہ جو پادری بھی تھا، ہرقل کے ماتحت تھا۔ (ابن ہشام غزوۂ تبوک)

تبوک میں قیام کے دوران آنحضرت ﷺ نے اس ریاست کی طرف بھی ایک دستہ بھجوایا۔ جس کے ہاتھ وہاں کے حاکم کو خط بھی بھیجا۔

یحنّہ بن روبہ حاکمِ اَیلہ آپؐ کا خط ملنے پر خود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ شام، یمن، بحر کے بعض علاقوں کے نمائندے بھی تھے۔ اسی طرح علاقہ جَرباء اور اَذرُح کے لوگ بھی تھے۔ جب وہ آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے آئے تو یحنّہ بن روبہ کے سینہ پر سونے کی صلیب لٹک رہی تھی جو اس کی پیشانی سے بندھی ہوئی تھی۔ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دست بستہ کھڑے ہو کر سر جھکا کر تعظیم بجا لایا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے اشارہ سے سر اٹھانے کو کہا اور اسے مصالحت کی پیشکش کی۔ چنانچہ اسی وقت ان سے مصالحت اور امان طے ہو گئی اور شرائط تحریر کی گئیں۔ اس نے اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے آپؐ کی خدمت میں ایک سفید خچر تحفۃً پیش کی۔ آپؐ نے بھی اسے ایک یمنی چادر اوڑھائی اور ان سب کے قیام کا انتظام حضرت بلالؓ کے ساتھ آپؓ ہی کے خیمہ میں کیا۔

(ابنِ سعد ذکر بعثۃ رسول اللہ ﷺ الرسل بکتبہ الی الملوک...)

مہمان نوازی کے لئے آپؐ کا ایک طریق یہ بھی تھا کہ آپؐ مہمان کو خود اپنے

ساتھ گھر لے جاتے یا اعلان فرما دیتے تھے کہ کون ہے جو اس مہمان کو اپنے ساتھ لے جائے۔ ایسی صورت میں قطع نظر اس کے کہ وسائل اور مسائل کیا ہیں، گھر میں کچھ کھانے کو ہے بھی یا نہیں، صحابہؓ ایک دوسرے سے بڑھ کر آپؐ کی آواز پر لبیک کہتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مسافر آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ نے گھر پیغام بھجوایا کہ اس کے لئے کچھ کھانا بھجوا دیا جائے۔ گھر سے جواب ملا کہ گھر میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس پر آپؐ نے اعلان فرمایا کہ کون ہے جو اس مہمان کے کھانے کا انتظام کرے گا؟ ایک انصاریؓ نے عرض کی کہ اس مہمان کو وہ اپنے ساتھ لے جائے گا۔ چنانچہ وہ اسے لے کر گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے مہمان کی خاطر مدارت کا بندوبست کرو۔ بیوی نے جواب دیا کہ گھر میں تو صرف بچوں کے کھانے کے لئے معمولی سی خوراک کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ خاوند نے بیوی سے کہا کہ ایسا کرو کہ کھانا تیار کرو، چراغ جلاؤ اور جب کھانے کا وقت آئے تو بچوں کو بہلا کر سلا دو۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ کھانا پکایا، چراغ جلایا اور بچوں کو بہلا کر بھوکا ہی سلا دیا۔ مہمان کھانے کے لئے آیا تو خود چراغ درست کرنے کے بہانے اُٹھی اور اسے گُل کر آئی۔ اندھیرے میں دونوں میاں بیوی مہمان کے ساتھ بیٹھے بظاہر کھانا کھاتے اور چٹخارے لیتے رہے تاکہ وہ یہ سمجھے کہ یہ دونوں بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ چنانچہ مہمان نے تسلّی کے ساتھ خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور یہ دونوں بھی اپنے بچوں کے ساتھ بھوکے ہی سو رہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس منظر سے آنحضرت ﷺ کو بھی آگاہ فرمایا۔ چنانچہ صبح جب وہ انصاریؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ہنس کر فرمایا: تمہاری رات والی تدبیر سے تو اللہ تعالیٰ بھی ہنس دیا تھا۔

(بخاری کتاب المناقب باب و یوثرونَ علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصة)

مہمان نوازی کے مثالی چراغ

حضرت حارثہ بن النعمان انصاریؓ النجّاری

آپؓ ایک صاحبِ جائیداد صحابی تھے۔ آپؓ کے مکان بھی آنحضرت ﷺ کے لئے وقف تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مکّہ سے ہجرت کے بعد سکونت اختیار فرمائی تو کچھ عرصہ کے بعد اپنے اہل و عیال کو بھی مدینہ بلوالیا۔ اس قافلہ میں حضرت امّ کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت زیدؓ کے بیوی بچے اور حضرت ابوبکرؓ کے بیوی بچے تھے۔ ان کے قیام کے لئے حضرت حارثہ بن النعمانؓ نے اپنے گھر پیش کئے اور ان سب نے ایک لمبا عرصہ ان گھروں میں قیام کیا۔

حضرت فاطمہؓ کی جب حضرت علیؓ سے شادی ہوئی تو اس وقت بھی حضرت حارثہ بن النعمانؓ نے انہیں ایک گھر پیش کیا جس میں آپؓ کی رخصتی ہوئی۔

اسی طرح حضرت ماریہؓ جب مصر سے تشریف لائیں تو آنحضرت ﷺ نے انہیں بھی حضرت حارثہ بن النعمانؓ ہی کے ایک گھر میں ٹھہرایا اور حضرت ماریہؓ سے آپ کا عقد بھی یہیں ہوا۔

حضرت رملة بنت الحارث النجّاریہؓ

تاریخ اسلام میں آپؓ کی مہمان نوازی ایک ضرب المثل قرار پاتی ہے۔ اس میدان میں آپؓ کی رضاکارانہ خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو مال اور گھروں کی وسعت کے ساتھ ساتھ دل اور ایمان بھی بہت وسیع عطا فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے عقیدت و فدائیت بھی بے انتہا بخشی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے مہمانوں کے لئے آپؓ کے گھر ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ یہ مہمان سال کے کسی بھی حصہ میں آتے اور جتنے بھی ہوتے آپؓ کے گھروں میں سما جاتے تھے۔ بسا اوقات یہ مہمان وفود کی صورت میں مدینہ آتے تو ان کی تعداد دو سو افراد سے بھی زائد ہوتی مگر یہ آپؓ کے گھروں میں ٹھہرائے جاتے۔ مثلاً

یمن سے قبیلہ بنو نخع کا دو سو افراد پر مشتمل ایک وفد محرّم 11 ہجری میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جسے آپؓ کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔

قبیلہ بنو تغلب مدینہ سے شمال مشرقی علاقہ میں اس راستہ پر آباد تھا جو عراق کی جانب جاتا ہے۔ اس قبیلہ کے بعض حصے عراق اور دیگر علاقوں میں بھی آباد تھے اور اس قبیلہ کے اکثر افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ فتح مکّہ کے بعد اس قبیلہ کا سولہ رکنی وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس میں سولہ افراد مسلمان تھے اور ان کے علاوہ کچھ عیسائی تھے۔ عیسائیوں نے سینوں پر سونے کی صلیبیں سجائی ہوئی تھیں۔ انہیں آپؓ کے گھر ٹھہرایا گیا۔ واپسی پر آنحضرت ﷺ نے وفد کو تحائف سے نوازا۔

(ابن سعد و ابن کثیر ذکر الوفود)

بنوعذرہ قبیلہ قضاعہ کا ذیلی قبیلہ تھا اور عرب اور شام کے سرحدی علاقہ میں آباد تھا۔ اس کا ایک وفد جو بارہ یا پندرہ افراد پر مشتمل تھا، ماہِ صفر 9ہجری میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعض روایات میں ارکانِ وفد کی تعداد انیس بھی آئی ہے۔ آپؐ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے قیام کا انتظام حضرت رملہ بنت الحارثؓ کے مکان میں کیا۔ آپؐ نے انہیں اسلام کا پیغام دیا۔ انہوں نے آپؐ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ پھر چند دنوں کے قیام کے بعد انہوں نے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت چاہی۔ رخصت کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے انہیں تحائف سے نوازا اور شام کی فتح کی بشارت بھی دی۔

(ابنِ سعد ذکر الوفود و زاد المعاد)

بحرین سے وفد بنوعبدالقیس فتح مکّہ والے سال مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں بیس افراد تھے انہیں آپؐ کے گھر میں مقیم کیا گیا۔

9ہجری میں بنوکلاب کا ایک تیرہ رکنی وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے قیام کا انتظام آپؐ کے گھر میں کیا گیا۔

قبیلہ بنوتغلب کا وفد مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں سولہ افراد تھے جن میں مسلمان بھی تھے اور بعض عیسائی بھی۔ اس وفد کو آپؐ کے گھر میں مقیم کیا گیا۔

قبیلہ بنوحنیفہ کا وفد جو انیس افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے قیام وغیرہ کا انتظام بھی آپؐ کے گھر میں کیا گیا۔ اسی وفد میں مسیلمہ بن حبیب بھی تھا جو بعد میں مدعی نبوّت ہو کر مسیلمہ کذّاب کے نام سے مشہور ہوا۔

قبیلہ بنوخولان کا وفد 10ہجری میں مدینہ آیا جو دس افراد پر مشتمل تھا۔ اسے آپؐ کے گھر میں ٹھہرایا گیا۔

عظیم قبیلہ غسان کا تیرہ رکنی وفد مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اسے بھی آپؐ کے گھر میں مقیم کیا گیا۔

قبیلہ مذحج کے پندرہ افراد پر مشتمل ایک وفد 10ہجری میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کے قیام کا انتظام آپؐ کے گھر میں کیا گیا۔

10ہجری میں بنومحارب کا دس افراد پر مشتمل وفد آیا۔ انہیں آپؐ کے گھر میں مقیم کیا گیا۔ حضرت بلالؓ ان کے لئے صبح و شام کھانا لایا کرتے تھے۔ اسی طرح بیسیوں وفد اور افراد تھے جن کی ضیافت آپؐ کے گھر میں ہوئی۔

یہ چند مثالیں ہیں جو ان بکثرت مثالوں میں سے لی گئی ہیں جن کو تاریخ نے محفوظ کیا ہے۔ حضرت رملۃ بنت الحارثؓ کا نام تاریخ اسلام میں مہمان نوازی کے باب کو ایک روشن مشعل کی طرح روشن کرتا ہے جس سے ہر فردِ اسلام روشنی حاصل کر سکتا ہے۔ اس میدان میں حضرت حارثہ بن النعمانؓ اور آپؐ کی مثال اور خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ جن کی وجہ سے امّت آپؐ پر درود و سلام بھیجتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

ان کے علاوہ بھی مدینہ میں صحابہؓ کے گھروں میں مہمان ٹھہرا کرتے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر بھی ایک مہمان خانہ تھا۔ اسی طرح قبیلہ بنوازد کا وفد مدینہ آیا تو حضرت فروہ بن عمروؓ کے ہاں مقیم ہوا۔ 10ہجری کے اواخر میں نجران سے حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ قبیلہ بنوحارث بن کعب کا وفد مدینہ آیا تو اس کے قیام کا انتظام حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاں کیا گیا۔ چنانچہ بیسیوں کی تعداد میں وفود اور سینکڑوں کی تعداد میں افراد مدینہ آتے تھے۔ ان میں سے بعض طویل قیام بھی کرتے تھے مگر ان سب کی ضیافت کے سامان کئے جاتے تھے۔ مثلاً وفد بنواشجع 5ہجری میں مدینہ آیا جس میں سوار کان تھے۔ یمن سے بنو بجیلہ کا ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل وفد مدینہ آیا۔ غزوۂ تبوک کے بعد شام سے بنوالدّار قبیلہ کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا۔ یہ وفد دس افراد پر مشتمل تھا۔ اس وفد نے آنحضرت ﷺ کے وصال تک یعنی تقریباً سال بھر مدینہ میں ہی قیام کیا۔

(ابن سعد ذکر الوفود)

بسا اوقات آپؐ کے پاس مہمان آتے تو وہ مستقل طور پر ہی مدینہ میں مقیم ہو جاتے تھے اور بعض طویل قیام کرتے۔ مگر کئی مرتبہ مہمان واپس جانے لگتے تو آپؐ انہیں فرماتے کہ کچھ دن اور ٹھہر جائیں، واپس جانے کی اتنی کیا جلدی ہے؟

مہماں جو کر کے الفت آئے بصد محبت
دل کو ہوئی ہے فرحت اور جاں کو میری راحت
پر دل کو پہنچے غم جب یاد آئے وقتِ رخصت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

دس شرائط بیعت سے مرصّع نایاب منظوم کلام

قصر احمدیت کے بنیادی چارٹر پر مشتمل یہ نظم حق کے طالبوں کے لئے ایک انمول تحفہ ہے

محترم مولانا دوست محمد شاھد صاحب مؤرخ احمدیت

یکم دسمبر 1888 دورِ آخرین میں ایک انقلاب آفریں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس روز حضرت امام الزمانؑ نے ریاض ہند امرتسر سے سبز اشتہار چھپوا کر اس کے آخر میں برصغیر میں منادی فرمائی کہ

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ حق کے طالب ہیں وہ سچا ایمان اور سچی ایمانی پاکیزگی اور محبت مولیٰ کا راہ سیکھنے کے لئے اور گندی زیست اور کاہلانہ اور غدارانہ زندگی کے چھوڑنے کے لئے مجھ سے بیعت کریں۔۔۔ انہیں لازم ہے کہ میری طرف آویں کہ میں ان کا غمخوار ہوں گا اور ان کا بار ہلکا کرنے کے لئے کوشش کروں گا اور خدا تعالیٰ میری دعا اور میری توجہ میں ان کے لئے برکت دے گا بشرطیکہ وہ ربانی شرائط پر چلنے کے لئے بدل و جان طیار ہوں گے۔''

ازاں بعد حضرت اقدس نے اسی پریس سے 12 جنوری 1889 کو ایک اور اشتہار شائع کر کے مجمل شرائط کی تشریح فرمائی جو آپ کی قلم مبارک سے درج ذیل کی جاتی ہے۔

اول: بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

یہ عہد کرتا ہوں کہ صدقِ دل سے میں ہاتھ پر اپنے میرزا کے
کہ جب تلک دم میں دم ہے میرے میں شرک سے مجتنب رہوں گا

دوم: یہ کہ جھوٹ، زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہیں ہو گا۔ اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

بُری نظر، جھوٹ اور زنا سے، فجور و فسق او ر ہر خطا سے
بچوں گا میں ظلم اور جفا سے کبھی بغاوت نہیں کروں گا
نہ ہوں گا مغلوب ہرگز اس سے، جو یہ بدی پر مجھے ابھارے
ہو نفس امارہ حملہ آور، تو اس کی چھاتی پہ میں چڑھوں گا

سوم: یہ کہ بلا ناغہ پنج وقتہ نماز موافقِ حکمِ خدا اور رسولؐ کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نمازِ تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ وِرد بنائے گا۔

پڑھوں گا اخلاص سے نمازیں، سحر کو مانگوں گا میں مرادیں
درود پڑھ پڑھ کے مصطفیٰؐ پر میں طالب مغفرت رہوں گا
بیادِ احسانِ ربّ کعبہ، جیوں گا لے لے کے نام اس کا
ہمیشہ سیراب آب الحمد، کشتِ دل کو رکھا کروں گا

چہارم: یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے، نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

زباں سے اور ہاتھ سے نہ دوں گا کبھی میں خلقِ خدا کو ایذا
جو ہیں مسلمان بھول کر بھی کبھی نہ ان سے بدی کروں گا

پنجم: یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلاء میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر یک ذلّت اور دُکھ قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا۔ اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر مُنہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ہو رنج و کلفت کہ یسر و راحت ، ہو قعر ذلت کہ تخت عزت
رہوں گا راضی قضا پہ اس کی کبھی نہ اس راہ سے ہٹوں گا
رہوں گا طیار رَہ میں اس کی ، میں جھیلنے کو ہر ایک سُولی
اٹھے گی آندھی مصیبتوں کی، میں اور اخلاص میں بڑھوں گا

ششم: یہ کہ اتبّاعِ رسم اور متابعتِ ہواوہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرلے گا۔ اور قال اللہ اور قال الرّسُولؐ کو اپنے ہر یک راہ میں دستورالعمل قرار دیگا۔

نہ اتباع رسوم ہو گی، نہ کچھ ہوا و ہوس سے رشتہ
میں اور قرآن کی حکومت، اسی کے سائے میں میں جیوں گا
پس از کلامِ خدا ، خدا کے نبیؐ نے جو کچھ کہا زباں سے
بناؤں گا خضرِ راہ اس کو ، اسی کے فرمان پر چلوں گا

ہفتم: یہ کہ تکبّر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

نہ آئے گی نام کو رعونت، نہ دل میں میرے غرور و نخوت
فروتنی، خوشنوئی حلیمی سے عمر اپنی گزار دوں گا

ہشتم: یہ کہ دین اور دین کی عزّت اور ہمدردئ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزّت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر یک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

جو شے ہے سب سے عزیز و دلبند، ہو جان و عزت کہ مال و فرزند
فدائے دینِ متین کرکے ، مہک میں اس کی بسا رہوں گا

نہم: یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض لِلّٰہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچاوے گا۔

جو طاقتیں حق نے مجھ کو بخشیں ، جو نعمتیں اپنے فضل سے دیں
وہ نوعِ انساں پہ کر کے قرباں ، معینِ خلقِ خدا رہوں گا

دہم: یہ کہ اس عاجز سے عقدِ اخوت محض لِلّٰہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقتِ مرگ قائم رہے گا۔ اور اِس عقدِ اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو گا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلّقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

بالآخر اے میرے پیارے آقا، یہ مجھ میں اور تجھ میں عقد ہوگا
کہ تیرے ارشاد پر ہمیشہ ، سرِ اطاعت کو خم کروں گا
نہ بعد تیرے کسی سے رشتہ ، نہ بن تیرے ہو گا کوئی مولےٰ
کسی کی ہوگی نہ مجھ کو پرواہ ، میں تیری الفت کا دم بھروں گا

یہ وہ شرائط ہیں جو بیعت کرنے والوں کے لئے ضروری ہیں۔ جن کی تفصیل یکم دسمبر 1888 کے اشتہار میں نہیں لکھی گئی اور واضح رہے کہ اس دعوت بیعت کا حکم تخمیناً مدت دس ماہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا ہے۔ لیکن اس کی تاخیر اشاعت کی یہ وجہ ہوئی ہے کہ اس عاجز کی طبیعت اس بات سے کراہت کرتی رہی ہے کہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگ اس سلسلہ بیعت میں داخل ہو جائیں اور دل چاہتا رہا کہ اس مبارک سلسلہ میں وہی مبارک لوگ داخل ہوں جن کی فطرت میں وفاداری کا مادہ ہے۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ189-190)

عالمی جماعتِ احمدیہ کا یہی وہ دائمی چارٹر ہے جس کی بنیاد پر وہ قصر روحانیت تعمیر ہو رہا ہے جو انشاء اللہ نظامِ خلافت کی برکت سے ہزار سال تک امن عالم کا دائمی مرکز ثابت

ہوگا اور اس کے ہمدردیٔ خلائق اور خدمت انسانیت کے میناروں میں سے زمین کے شرق و غرب بقعہ نور بن جائیں گے اور خدا کی بادشاہت ایک بار پھر پوری شان و شوکت سے قائم ہو جائے گی جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے 4/مارچ 1889 کے اشتہار میں خبر دی کہ

''خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے تا دنیا میں محبت الٰہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلا دے۔ سو یہ گروہ اس کا ایک خالص گروہ ہوگا اور وہ انہیں آپ اپنی روح سے قوت دے گا۔ اور انہیں گندی زیست سے صاف کرے گا اور ان کی زندگی میں ایک پاک تبدیلی بخشے گا۔ وہ جیسا کہ اس نے اپنی پاک پیشین گوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے، **اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزار ہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا۔ وہ خود اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کو نشو و نما دے گا یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کی چاروں طرف اپنی روشنی پھیلائیں گے۔ اور اسلامی برکات کے لئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے۔ وہ اس سلسلہ کے کامل متبعین کو ہر یک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلہ والوں پر غلبہ دے گا اور ہمیشہ قیامت تک ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت اور نصرت دی جائے گی۔ اس ربّ جلیل نے یہی چاہا ہے۔ وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر یک طاقت اور قدرت اسی کو ہے۔''**

(مجموعه اشتہارات جلد اول صفحه198)

قصر احمدیت کے چارٹر کو نظم کرنے والے پہلے بزرگ

فن شعر و سخن اپنی تاثیر اور جذب و کشش کے اعتبار سے جادوگری سے کم نہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک رفیق اور حضرت چوہدری علی محمد صاحب بی اے بی ٹی اور حضرت مولوی عطا محمد صاحب کارکن بہشتی مقبرہ کے بڑے بھائی حضرت نعمت اللہ صاحب گوہر نے پہلی بار 1924 میں عشاقِ احمدیت کے لئے ان ربانی شرائط کو شعروں کا جامہ پہنایا۔

آپ اولین بزرگ ہیں جنہوں نے یہ اعزاز حاصل کیا جس طرح بعد میں حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر مرحوم نے مطالبات تحریک جدید کو نظم کرنے کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔

حضرت گوہر خلافتِ ثانیہ کے ابتدائی دور کے شعراء میں سے تھے آپ نے امامِ وقت کی رقم فرمودہ شرائطِ بیعت کو سادہ مگر عقیدت میں ڈوبے ہوئے دلنشیں اور اثر انگیز شعروں میں ڈھال کر انہیں خوبصورت شکل میں چھپوایا جس کی افادیت کے پیشِ نظر جماعتی آرگن اور خلافت کے دست و بازو اخبار الفضل نے بھی اپنی 24/جنوری 1928 کی اشاعت کے صفحہ 2 کی زینت بنایا۔

یہ نایاب اور دلآویز نظم پون صدی کے بعد احمدیت کی موجودہ نسل کے لئے جس کے ذریعہ قلوب عالم کی تسخیر اور دینِ حق کی بین الاقوامی روحانی و دینی فتوحات مقدر ہیں سپرد اشاعت کی جارہی ہیں جو حق کے طالبوں کے لئے ایک انمول قیمتی تحفہ ہے جو صرف پڑھنے اور روحانی لطف اٹھانے ہی کے لئے نہیں، لوحِ قلب پر نقش کرنے کے لائق ہے کیونکہ اسی سے خدا اور مصطفیٰ ؐ کی روحانی حکومت کا پوری شان و شوکت سے قیام ازل سے مقدر ہے ع

ہے یہ تقدیر خداوند کی تقدیروں سے

یاد رہے اشعار اگرچہ حضرت گوہر کے ہیں مگر بلا واخدائے ذوالعرش کے اس قائدِ آسمانی کا ہے جس کا زمانہ ہزار سال پر محیط ہے۔

پہلا حصہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سفر سیالکوٹ

27 اکتوبر تا 3 نومبر 1904

مرتبہ: حبیب الرحمٰن زیروی

اتمامِ حجت کی ضرورت

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے یکم فروری 1904 صبح کی سیر کے وقت فرمایا کہ:۔
قویٰ خواہ کتنے ہی قوی ہوں اور عمر کس قدر ہی اوائل میں کیوں نہ ہو مگر تاہم عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ نہیں معلوم کہ کس وقت موت آجاوے۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ اگرچہ اپنے فرض کا ایک حصہ بذریعہ تحریروں کے ہم نے پورا کر دیا ہے مگر تاہم ایک بڑا ضروری حصہ باقی ہے کہ عوام الناس کے کانوں تک ایک دفعہ خدا تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دیا جاوے۔ کیونکہ عوام الناس میں ایک بڑا حصہ ایسے لوگوں کا ہوتا ہے جو کہ تعصب اور تکبر وغیرہ سے خالی ہوتے ہیں۔ اور محض مولویوں کے کہنے سننے سے وہ حق سے محروم رہتے ہیں۔ جو کچھ یہ مولوی کہہ دیتے ہیں اسے امنا و صدقنا کہہ کر مان لیتے ہیں۔ ہماری طرف کی باتوں اور دعووں اور دلیلوں سے محض ناآشنا ہوتے ہیں۔ اس لئے ارادہ ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں جا کر بذریعہ تقریر کے لوگوں پر اتمامِ حجت کی جاوے اور ان کو بتلایا جاوے کہ ہمارے مامور ہونے کی غرض کیا ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 551)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی عادت اور فطرت کی افتاد کچھ ایسی واقعہ ہوئی تھی کہ آپ کنج تنہائی کو ہمیشہ پسند فرماتے رہے ہیں جیسا کہ آپ نے بارہا فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے کھینچ کر باہر نہ نکالتا تو میں اسی گوشہ تنہائی کو بسا غنیمت سمجھتا تھا اور میری ساری راحت اور خوشی اسی میں تھی۔ لیکن جب اصلاحِ خلق کا بارِ عظیم آپ کے دوشِ مبارک پر رکھا گیا تو آخر آپ کو مخلوق کی طرف نزول کرنا پڑا۔

تاہم حضورؑ بہت ہی کم سفر کرتے اور جیسا کہ دنیا کے مشہور پیروں اور فقیروں کا قاعدہ ہے کہ سالانہ یا ششماہی نذرانہ وصول کرنے کیلئے گھر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں حضور کے مقاصد سے یہ امر بہت ہی دور واقع ہوا ہے بلکہ جہاں تک ہمارا علم ہے حضرت مسیح موعودؑ نے ان سفروں کے ماسوا جو آپ نے دعویٰ مسیحیت کے اوائل میں امرتسر۔ لدھیانہ۔ دہلی۔ لاہور۔ سیالکوٹ۔ پٹیالہ وغیرہ کے کئے تھے۔ دس بارہ سال کے اندر آپ قادیان سے باہر نہیں نکلے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ چونکہ آپ کی ہر ادا، ہر حرکت و سکون اللہ تعالیٰ کے لئے تھا چنانچہ جب تک اذنِ الٰہی کسی سفر کے لئے نہیں ہوا آپ دارالامان سے باہر نہیں گئے۔

نئے ذرائع ابلاغ کا عہد

چھاپہ خانوں کی ایجاد۔ ڈاکخانوں کا اجراء۔ علوم فوٹو گرافی۔ فونوگراف کی ترویج۔ تاربرقی۔ اور اخبارات کی کثرت۔ غرض اس قدر ذریعے آکرا کٹھے ہوئے ہیں کہ کل دنیا ایک شہر کا حکم رکھتی ہے۔ اور ایک مقام پر بیٹھا ہوا ایک شخص کل دنیا کو ایک وقت میں خطاب کر سکتا ہے۔ جہاں تک انبیاءِ سابقین کے حالات قرآن کریم اور صحیح تاریخ سے ملتے ہیں ہم بلا مبالغہ اور بلا خوف لومۃ لائم کہنے کو آمادہ ہیں کہ جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس قدر سامان اور ذرائع بہم پہنچائے ہیں وہ معمولی انسان نہیں بلکہ وہ مسیح موعودؑ ہے جسے تکمیلِ اشاعتِ اسلام کا عظیم الشان فریضہ سونپا گیا ہے۔
غرض ذرائع کی کثرت بجائے خود ایک پہلو سے ظاہر کرتی ہے کہ مسیح موعودؑ کو کثرت سے سفر کرنے پڑیں گے۔
علاوہ بریں جب ہم ان شاخوں پر نظر کرتے ہیں جو آپ کے سلسلہ عالیہ کی

اللہ تعالیٰ نے خود تجویز فرمائی ہیں اور جس کا ذکر آپ نے فتح اسلام میں بھی کیا ہے۔تو سفروں کا سلسلہ اس میں بھی نظر نہیں آتا بلکہ تیسری شاخ آپ کے ایک قسم کی مستقل استقامت کا اظہار کرتی ہے۔

المختصر

حضرت مسیح موعودؑ کم سفر کرتے ہیں اور زیادہ تر تبلیغ کے لئے ان ذرائع سے کام لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانہ کے لئے نہیں بلکہ آپ کی خدمت کے لئے پہلے سے مہیا کر دیے ہیں۔ پھر سوال ہوگا کہ اس سفر کا باعث کیا ہے؟

باعثِ سفر ایفاءِ عہد

حضرت مسیح موعودؑ مقدمات گورداسپور کے دوران میں چند روزہ فرصت ملنے کے باعث لاہور تشریف لے گئے تھے اور اس تشریف آوری سے بھی حضور کا مقصد وہ ایفاءِ عہد تھا جو آپ نے جماعت لاہور سے لاہور جانے کے متعلق ایک عرصہ پہلے کیا ہوا تھا۔ قیامِ لاہور کی تقریب پر جہاں قریباً پنجاب کے مختلف شہروں سے احباب جمع ہوئے تھے۔ جماعت سیالکوٹ بھی حاضر ہوئی تھی۔

(الحکم 10۔ 17 نومبر 1904ء)

قیامِ لاہور کے دوران میں جماعت سیالکوٹ نے سیدنا حضرت مسیح موعودؑ سے سیالکوٹ تشریف لے جانے کے لئے عرض کیا۔ حضور نے یہ درخواست منظور فرما لی۔ اور جماعت کے دوستوں نے نہایت مستعدی اور کمال جوش کے ساتھ سیالکوٹ میں جا کر مکانات وغیرہ کا انتظام شروع کر دیا۔ مقدمات سے فرصت پا کر حضور قادیان تشریف لے گئے تو میاں محمد رشید صاحب، جماعت سیالکوٹ کی طرف سے بطور نمائندہ سفرِ سیالکوٹ کی تاریخ کے تعین کی غرض سے قادیان گئے۔ حضور کی طبیعت ان دنوں کچھ ناساز تھی اس لئے فرمایا دو چار روز کے بعد جواب دوں گا۔ حضور کا ارادہ استخارہ مسنونہ کا بھی تھا۔ آخر 27 / اکتوبر 1904 کی صبح تاریخ روانگی مقرر ہوئی۔ حضور نے روانگی کے لئے ایک ایسی گاڑی تجویز فرمائی جو رات کو سیالکوٹ پہنچتی تھی۔ اُدھر جماعت سیالکوٹ کی یہ خواہش تھی اور اس کے اظہار کے لئے انہوں نے کارڈ کے علاوہ ایک اور خاص آدمی بھی بھیجا کہ حضور کا داخلہ شہر سیالکوٹ میں دن کے وقت ہو اس لئے حضور ایسی گاڑی میں آئیں جو دن کو داخل ہو۔ مقصود یہ تھا کہ رات کو کثرتِ انبوہ میں انتظامی مشکلات نہ ہوں دوسرے حضور کی زیارت کے مشتاق کثرت کے ساتھ سیالکوٹ میں جمع ہونے والے تھے اور کل شہر اس بابرکت دن کا انتظار کر رہا تھا۔ اس لئے دن کو یہ نظارہ دوسروں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔ کوئی دنیاوی جاہ وحشم یا استقبال و نمائش کا بھوکا ہوتا یا گدی نشین ہوتا تو اِس رائے کو پسند کرتا مگر خدا کے اس برگزیدہ نے جو محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں ہی لذت و ذوق پاتا تھا، اس صورت کے لئے تیار نہ ہوا۔ اور حضور نے اپنے پروگرام میں کسی قسم کی ترمیم سے انکار کرتے ہوئے اسی گاڑی سے سیالکوٹ جانے کا فیصلہ فرمایا جو رات کو وہاں پہنچتی تھی۔

(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 359)

جب حضورؑ نے گورداسپور جانے کا ارادہ فرمایا تو اتفاقاً ایسی شدید بارش ہوئی کہ راستے بالکل بند ہو گئے اور اس قدر پانی جارہا تھا کہ یکہ اور گاڑیاں ہرگز چل نہیں سکتی تھیں۔ خاکسار ایڈیٹر الحکم کو اسی پانی میں پیادہ پا بوجہ تاریخ مقدمہ گورداسپور جانا پڑا اور وہاں جا کر جب خواجہ صاحب اور مولانا محمد علی صاحب سے راستہ کی تکالیف کا ذکر کیا تو وہ بہت گھبرائے اور پھر طرہ یہ ہوا کہ وہ مکان جس کا انتظام کیا گیا تھا عین وقت پر لیتے اسی دن اس کے ملنے سے قطعاً مایوسی ہوگئی۔ ایسی صورت میں ہم لوگ جو گورداسپور میں موجود تھے سخت گھبرائے کہ اب کیا ہوگا۔ مکان کا انتظام نہیں۔ راستہ ٹھیک نہیں اور حضرتِ اقدسؑ کے ہمراہ بچوں اور مستورات کا ساتھ ہے۔ بعد مشورہ یہ رائے ہوئی کہ دو آدمی اسی وقت پہنچ جاویں جو حضرت کو اس سفر سے روک دیں۔ اس وقت مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ بھیجنے کو آدمی بھیج دو سب کچھ مشکلات عرض کر دو مگر یہ قوم (مامور) اپنے ارادوں سے باز نہیں رہا کرتی کیونکہ ان کا استقلال یہی کرامت ہوتا ہے۔ آخر وہی ہوا۔ حضرت اقدسؑ راستے کی ان تکالیف پر فتح پاتے ہوئے گورداسپور پہنچ ہی گئے۔ ہماری غرض اس واقعہ سے قصہ گوئی نہیں بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ اِن لوگوں کا استقلال خارق عادت استقلال ہوتا ہے۔ غرض حضرتِ اقدسؑ نے جو گاڑی روانگی کے لئے تجویز

کی تھی وہی قائم رہی اور اس بناء پر حضور 27/اکتوبر 1904 کی صبح کو 4 بجے کے قریب دارالامان سے روانہ ہوئے۔

روانگی از قادیان

27/اکتوبر کی صبح کا نظارہ قادیان میں ایک قابلِ دید نظارہ تھا جبکہ خدا تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ اور اس کا پاک مسیح موعودؑ سیالکوٹ کے سفر کیلئے دارالامان سے چلنے کو تیار تھا کل احمدی قوم قریباً موجود تھی۔ کچھ تو حضرتِ اقدسؑ کی مشایعت کے لئے اور کچھ آپ کے ہمراہ جانے کو تیار تھے۔ مدرسہ کے بہت سے طالبِ علم اور استاد اور بہت سے لوگ بٹالہ تک آپ کے ہمراہ چلنے کو آمادہ تھے۔ بہر حال چار بجے کے قریب حضرت مسیح موعودؑ اپنے خدام کے زمرہ میں دارالامان سے روانہ ہوئے۔ ایک درجن سے زیادہ یکے اور خدام حضورؑ کے ہمراہ تھے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ حضرت اماں جانؓ اور خاندان کے دوسرے افراد بھی تھے۔ اس لئے رتھ کے علاوہ فینس بھی ساتھ تھی۔ یہ شاندار قافلہ جس میں خدا تعالیٰ کا برگزیدہ مسیح موعودؑ جا رہا تھا عجیب شان سے روانہ ہوا۔

حضور کا پیادہ پا سفر

حضرت مسیح موعودؑ کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ آپ چہل قدمی کرتے رہتے ہیں اور گو ایک عرصہ سے سلسلہ سیرِ صبح کا بند تھا مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ حضور کو اس امر کا خاص شوق ہے اور یہ طریق آپ کی صحت کے لئے علی العموم عمدہ اور مفید ہے۔ جب سے حضور نے ہوش سنبھالا ہے اور تنہائی اختیار کی ہے یہ معمول آپ کا ثابت ہے کہ بیت الذکر کے سامنے صحن میں ہمیشہ ٹہلتے تھے بلکہ ہمارے ناظرین اس بات کو سن کر حیران ہونگے کہ آپ اکثر تالیفات کا کام بھی ٹہل کر ہی کیا کرتے ہیں۔ صحن کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے طاقچوں میں دوات رکھی اور ٹہلتے ٹہلتے لکھتے گئے ٹہل کر پڑھنا تو اکثر آپ نے سنا ہوگا مگر یہ کم دیکھا یا سنا ہوگا کہ ٹہل کر لکھا بھی جاتا ہے۔ غرض اسی عادت اور مذاق کے موافق نصف راستہ طے کر لینے کے بعد حضور نے پا پیادہ سفر اختیار کیا اور پالکی سے اتر کر پیدل چلتے رہے اور آپ کے ساتھ بہت بڑا مجمع خدام کا بھی پیدل چلتا رہا۔ اور قریب آٹھ بجے کے حضور بٹالہ پہنچ گئے۔

بٹالہ سٹیشن

بٹالہ ریلوے سٹیشن سے سیالکوٹ تک ایک سیکنڈ کلاس اور ایک تھرڈ کلاس ریزرو کر والی گئی تھی۔ بٹالہ سٹیشن پر جماعت بٹالہ نے آ کر شرفِ نیاز حاصل کیا۔

امرتسر ریلوے سٹیشن

بٹالہ سے گاڑی روانہ ہو کر درمیانی سٹیشنوں سے گزرتی ہوئی 11 بجے کے قریب امرتسر پہنچی۔ امرتسری جماعت نے پہلے ہی حضرت حجۃ اللہ مسیح موعودؑ کی خدمت بذریعہ عریضہ عرض کر رکھا تھا کہ وہ کھانا لے کر حاضر ہونگے۔ اور حضرتؑ نے ان کی دعوت کو منظور فرما لیا تھا۔ گاڑی کے پہنچنے سے پہلے ہی امرتسری جماعت سٹیشن پر استقبال اور حصولِ زیارت کے لئے حاضر تھی۔ لیکن حضرتِ اقدسؑ کا نام اور دعویٰ کوئی ایسی چیز نہیں جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کرے۔ اس لئے گاڑی کے پہنچتے ہی لوگ ہر طرف سے دوڑتے ہوئے گاڑی کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ اور خود احباب کو مصافحہ کرنا مشکل ہو گیا۔ ایک دوسرے سے پہلے چاہتا تھا کہ میں آگے بڑھوں۔ جن لوگوں نے یہ نظارہ دیکھا ہے خوب سمجھ سکتے ہیں کہ کس قدر کشش دلوں میں پیدا ہوئی تھی۔ موافق تو موافق، مخالف بھی کھنچے چلے آتے تھے۔ اس مقام پر کچھ لوگوں نے حضرت کے سلسلہ میں بذریعہ بیعت شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ امرتسری جماعت نے مسافرانِ سیالکوٹ کو بڑی فیاضی اور فراخدلی سے گاڑیوں میں کھانا کھلا دیا۔ گاڑی کی روانگی تک ایک میلہ سا لگا رہا۔
12 بجے کے بعد گاڑی نے امرتسر سٹیشن کو چھوڑا اور بہت سی روحوں کو اسی شوق میں مضطرب چھوڑ کر آگے نکل گئی۔

اٹاری سٹیشن

اس دن ریلوے لائن کے اردگرد کے دیہات میں کچھ ایسی ہوا چلی ہوئی تھی کہ گاڑی کے سٹیشن پر پہنچنے سے پہلے ہی ایک معمولی سے معمولی سٹیشن پر بھی ایک

خاصا اژدہام اور ہجوم زائرین کا ہوتا تھا۔لیکن کوئی شخص کسی کو کہنے نہیں گیا تھا اور ابھی حضور کی روانگی کی خبر عام طور پر شائع بھی نہ ہو چکی تھی۔اس سٹیشن پر بھی غیر معمولی مجمع تھا۔ بہر حال جن لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دی گئی تھی وہ نہایت اخلاص سے آکر ملے اور اپنے احمدی بھائیوں اور اپنے سید و مولا امام کے حضور انہوں نے دودھ کی دعوت پیش کی۔جزاھم اللہ احسن الجزاء۔
اور ساتھ ہی ٹکٹ لے کر خود بھی سوار ہو گئے ۔اور اس چند منٹ کی صحبتِ احباب کو بھی انہوں نے اکسیر سمجھا۔

واہگہ سٹیشن

واہگہ ایک مختصر سا فلیگ سٹیشن ہے ۔ واہگہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جہاں عیسائیوں نے اپنا احاطہ بنایا ہوا ہے۔اور کچھ مشنری عورتیں یہاں رہتی ہیں ان کی سعی یا کوشش سے یا بالفاظِ دیگر ان کے مفاد کے لئے یہ سٹیشن بنا ہوا ہے۔اس سٹیشن پر خدا کے فضل و کرم سے بابو محمد ایوب بکنگ کلرک احمدی ہے جسے ریلوے کے کام کی کثرت کی وجہ سے شاید بہت کم فرصت قادیان آکر حضرت کی زیارت کی ملتی اور اس تقریب پر جنگل میں پڑی ہوئی روح کو سیراب ہونے کا موقع خود بخود مل گیا۔

میاں میر

ایک بجے کے بعد گاڑی میاں میر سٹیشن پر پہنچی۔ جو ایک فوجی چھاؤنی ہے۔اٹاری کی جماعت اس مقام پر اتر کر دوسری گاڑی میں واپس ہوئی۔ یہاں بھی بعض مخلصین کو زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

لاہور سٹیشن

ریلوے سٹیشن پر یوں تو عام طور پر ایک عجیب دلکش نظارہ ہوتا ہے۔لیکن آج غیر معمولی رونق اور بھیڑ بھاڑ تھی۔احمدی جماعت تو لازماً موجود تھی مگر دوسرے لوگ بھی جو مذہبی معاملات میں دلچسپی رکھتے ہیں سٹیشن پر حضرتِ اقدسؑ کی زیارت کو موجود تھے۔لاہور کے ریلوے سٹیشن پر اس کثرت سے اژدہام تھا کہ وہاں کے روزانہ ''پیسہ'' اخبار کو بھی باوجود مخالفت کے اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ اور ابھی قریباً دو مہینے قبل حضرتِ اقدس لاہور میں رہ کر آئے تھے اس صورت میں اگر آپ کو قیام لاہور میں پوری کامیابی نہ ہوئی ہوتی تو چاہیے تھا کہ اس وقت دوسرے مذاہب کے لوگوں میں سے ایک بھی وہاں نہ ہوتا۔لیکن احمدیوں کے سوا ہندو مسلمانوں کے فہمیدہ لوگوں کا ایک خاصا مجمع اس تقریر پر تھا۔
غرض ریلوے سٹیشن پر ایک صف آراء فوج معلوم ہوتی تھی جو رب الافواج کے برگزیدہ کے استقبال اور زیارت کے واسطے موجود تھی۔ یہاں بھی مسافروں اور اجنبیوں کا یہ حال تھا کہ خواہ مخواہ اس گاڑی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔پولیس نے اپنے فرائضِ منصبی کے لحاظ سے پورا انتظام رکھا۔اور یہاں چونکہ گاڑی کو کچھ عرصہ تک ٹھہرنا تھا اس لئے لاہور کی جماعت کو اچھا موقعہ حصولِ ملاقات کا مِل گیا۔
2 بجے کے قریب گاڑی نے سٹیشن کو بھی الوداع کہا۔

بادامی باغ

بادامی باغ کے علاوہ اسی طرح دوسرے سٹیشنوں پر حضرت کی زیارت کے لئے لوگ آتے رہے۔آخر گاڑی گوجرانوالہ کے سٹیشن پر پہنچی۔

گوجرانوالہ

گوجرانوالہ کے سٹیشن پر بہت بڑا مجمع خاص گوجرانوالہ کے علاوہ ارد گرد کے دیہات سے آئے ہوئے لوگوں کا موجود تھا۔ بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ اس مجمع کی تعداد کسی حالت میں سات آٹھ سو سے کم نہ ہوگی۔ اس مجمع میں کثرت کے ساتھ اہلِ ہنود بھی تھے۔حضرت اقدسؑ کی گاڑی کے سامنے ایک میلہ لگا ہوا تھا۔احمدی احباب نے مصافحہ کیا اور خدا کے برگزیدہ پر سلام کیا۔ وقتِ معینہ پر گاڑی یہاں سے بھی چلی۔گکھڑ کے سٹیشن پر بھی باوجودیکہ وہ ایک چھوٹا سا سٹیشن ہے پچاس سے زیادہ آدمیوں کا مجمع تھا۔جس شوق و جوش اور اخلاص سے یہ لوگ

آتے تھے اور گاڑی کی طرف لپکتے اور دوڑتے تھے وہ نظارہ کچھ قابلِ دید ہی تھا۔ اسے کسی جرنلسٹ کا قلم تو کیا شاعر کی بلند پروازی بھی ادا نہیں کر سکتی۔ ان زائرین کو بھی چند منٹ کی ملاقات کے بعد شوقِ زیارت تیز کر کے گاڑی نے وہیں چھوڑا اور وہ سراسیمہ ہو کر دوڑتی ہوئی گاڑی کی طرف دیکھتے رہے اور گاڑیاں سیٹیاں مارتی ہوئی گویا خدا کے محبوب کو اپنا سوار سمجھ کر اتراتی ہوئی سٹیشن سے نکل گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وزیرآباد سٹیشن پر جا کر کھڑی ہوئی۔

وزیرآباد ریلوے سٹیشن

وزیرآباد میں ایک جنکشن سٹیشن ہے جہاں سے سیالکوٹ کی طرف گاڑی جاتی ہے۔ اور ایسا ہی لائل پور وغیرہ کی طرف بھی یہاں ہی سے گاڑی جاتی ہے۔ غرضیکہ یہی وہ سٹیشن ہے جہاں سے حضرتِ اقدسؑ نے سیالکوٹ کی طرف جانا تھا اور سیالکوٹ یہاں سے قریباً ایک گھنٹے کی راہ تھی۔ اس سٹیشن پر بڑا مجمع زائرین کا موجود تھا اور جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ وزیرآباد میں ایسی احمدی جماعت کی تعداد بہت تھوڑی ہے تو اس کثرت سے آئے ہوئے لوگوں کا دیکھنا حیرت میں ڈالتا تھا۔
وزیرآباد کے سٹیشن پر اس قدر انبوہ فی الحقیقت غیر معمولی بات تھی۔ جس سے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے کی عظمت اور شوکت کا پتہ لگتا تھا۔ چونکہ ریزرو گاڑیوں کو کاٹ کر اس ٹرین کے ساتھ لگانا تھا جو سیالکوٹ جانے والی تھی اس لئے ان گاڑیوں کو دور نالہ پلکو کے پل تک لیجانا پڑا۔ اس وقت خیال کیا جاتا تھا کہ اب لوگ الگ ہو جائیں گے لیکن لوگوں کا بڑھتا ہوا شوق گاڑی کے دونوں طرف لے بھاگا اور انہوں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ مبادا ہم کچلے جائیں۔ گاڑی کے ساتھ ساتھ دونوں طرف مخلوقات بھاگی جاتی تھی۔ آخر وہ گاڑیاں کاٹ کر سیالکوٹ والی ٹرین سے لگا دی گئیں اور لوگوں کا ہجوم بدستور اس وقت تک رہا جب تک کہ گاڑی سٹیشن سے نہ نکل گئی۔

وزیرآبادی احباب کی دعوت

اس امر کا اظہار اس موقعہ پر نہ کرنا غالباً سخت ناانصافی ہوگی کہ ہماری وزیرآبادی جماعت کے معزز رکن شیخ غلام رسول اور شیخ احمد جان مالکان کارخانہ سوڈا واٹر نے نہایت فراخدلی کے ساتھ حضرتِ اقدسؑ اور آپ کے ہمراہی جماعت کی دعوت لیمونیڈ سے کی۔ کثرت کے ساتھ انہوں نے پانی کی بوتلیں اپنے بھائیوں کی خدمت میں پیش کیں۔ یہ اخوت اور محبت بجائے خود حضرتِ اقدسؑ کی سچائی کا ثبوت ہے کہ اس شخص کی تعلیم میں وہ اثر اور قوت ہے کہ مختلف طبقات کے لوگوں کو ایک کر دیا ہے اور امیر اور غریب سب ایک پلیٹ فارم پر کھڑے کر دیے ہیں۔ غرض گاڑی سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئی۔ چونکہ کثرتِ مخلوق اور ہجوم میں بہت سے لوگوں کو حضرتِ اقدس سے مصافحہ کرنے کا شرف نہ مل سکا تھا اس لئے اکثر احباب ساتھ ہی گاڑی میں سوار ہو گئے اور سیالکوٹ اور وزیرآباد کے درمیانی سٹیشنوں پر جہاں جس کو موقعہ ملا اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوا۔

سوہدرہ

سوہدرہ ایک چھوٹا سا سٹیشن ہے جہاں گاڑی بہت ہی کم عرصہ غالباً منٹ دو منٹ کھڑی ہوتی ہوگی۔ اس دوڑ دھوپ اور کم فرصتی کو بھی غنیمت پا کر اکثر خدامِ حضرت نے شرفِ نیاز حاصل کر لیا۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے سٹیشنوں پر بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ آخر منزلِ مقصود آ پہنچا۔

سیالکوٹ ریلوے سٹیشن

سیالکوٹ ریلوے سٹیشن کا نظارہ کچھ ایسا قابلِ دید تھا کہ کسی جادو نگار کا قلم اور نازک خیال شاعر کا دماغ بھی اس نظارے کو ادا کرنے کے قابل نہیں پھر کہا جاتا ہے کہ مصور اور فوٹوگرافر کسی نظارے کو اچھی طرح دکھا سکتا ہے۔ مگر اے ہمارے پڑھنے والو! یقیناً سمجھو کہ اس مقام پر مصور کا قلم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اور فوٹوگرافر بھی (باوصفیکہ آج اس فن میں بڑی ترقیاں ہوئی ہیں) کمال دکھانے سے عاجز ہے۔ وہ نظارہ فی الحقیقت قابلِ دید ہی تھا۔
اس نظارے کے دیکھنے والے ایک دو نہیں ہزار ہا انسان تھے پھر ان میں ہر طبقہ اور ہر عمر کے لوگ تھے۔ سیدھے سادے، پرانے زمانے کے بڑے، بوڑھے، بچے، نوجوان، امیر، غریب، حکام۔ حضرتِ اقدسؑ کے مخلص۔ مخالف ہندو مسلمان سکھ

۔پھران میں سے عالم و جاہل، شاعر، صوفی اور فلاسفر مزاج۔ غرض ہر قسم کے لوگ تھے اور ہر ایک اپنی اپنی نظر اور آنکھ سے اس نظارے کو دیکھ رہا تھا پھر اسقدر متضاد خیالات، متضاد طبیعتوں کے لوگوں کے لئے نکتہ خیال کو آنِ واحد میں پا جانا ایک معمولی جرنلسٹ کے لئے آسان نہیں ہے۔

لیکن ہم اپنے ناظرین کو مایوس کرنا نہیں چاہتے ہم انہیں مختلف نظروں سے اس نظارہ کو خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کر کے دکھانے کی کوشش کریں گے۔ ممکن ہے کہ ہم اس میں پورے کامیاب نہ ہوں کیونکہ بہر حال پھر وہ ہماری اپنی نظر ہے۔ ہمارے ناظرین ہماری آنکھ سے مختلف نظروں کا معائنہ کریں اور یہ بھی کسی تائید یافتہ روح کے فیض کا اثر سمجھیں جو ایک کمزور شخص مختلف نظروں کو آنِ واحد میں ایک نظر سے دیکھ لیتا ہے۔

سیالکوٹ ریلوے سٹیشن کا نظارہ عام نظر میں

ہر چند جماعت سیالکوٹ نے کوشش کی تھی کہ حضرت مسیح موعودؑ کسی ایسی گاڑی میں وہاں پہنچیں جو دن کے وقت سیالکوٹ پہنچتی ہو لیکن ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ اعلیٰ حضرتؑ نے کسی حال میں بھی اپنے پروگرام کو نہیں بدلا اور جس گاڑی میں روانہ ہونے کا عزم فرما چکے تھے اسی گاڑی میں روانہ ہوئے اور یہ گاڑی سیالکوٹ سٹیشن پر چھ بجے کے بعد پہنچی جب کہ آفتاب غروب ہو چکا تھا اور تاریکی اپنا اثر سطح زمین پر ڈال رہی تھی۔

ایسی حالت میں ایسے وقت میں لوگوں کا اپنے کاروبار چھوڑ کر سٹیشن پر حضرت اقدسؑ کی زیارت کے لئے آنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اصل تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جگہ کچھ ایسے کھینچے گئے تھے کہ وہ رک سکتے ہی نہ تھے۔ جس طرف نظر جاتی تھی آدم زاد ہی آدم زاد نظر آتا تھا۔ ہمارے احباب سیالکوٹ کو غالباً اس نظارہ کو دیکھ کر اپنی اس تجویز یا خیال پر ضرور تاسف ہوا ہو گا جو انہوں نے حضرتِ اقدسؑ کے دن کی گاڑی میں آنے کے متعلق سوچا تھا کیونکہ اس وقت کی بے شمار مخلوق کا جمع ہو جانا ان کی امیدوں سے بڑھا ہوا تھا۔ بلکہ ہم صاف طور پر یوں کہیں کہ ان کا ایمان بڑھ گیا ہو گا۔ کیونکہ گاڑی کے پہنچنے کا یہ وقت ایسا تھا جبکہ لوگ اپنے دن کے کاروبار سے فارغ ہو کر آرام کرنے کیلئے گھروں کو جاتے ہیں مگر آج انہیں کوئی غیر معمولی کشش تھی جو ان کو بجائے آرام کرنے کے دکھ اٹھانے کے لئے کھینچ لاتی تھی۔

کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ اس قدر انبوہ اور ہجوم میں آرام کے ساتھ چلنا ناممکن ہے۔ انہیں علم تھا کہ دھکے پر دھکے پڑیں گے اور پولیس اپنے فرضِ منصبی کے لحاظ سے امن قائم رکھنے کے لئے مناسب موقع کارروائی سے کام لیگی۔ لیکن ان لوگوں کو پولیس کی جھڑکیاں اور گھرکیاں ایک دوسرے کے دھکے کھانے منظور تھے دن بھر کی کوفت میں اس کوفت اور تکان کا اضافہ پسند خاطر تھا۔

تم شام کو 6 بجے کے بعد گھر کی بجائے سٹیشن پر آجانا اگر عام طور منادی بھی کرائی جاتی اور لوگوں کا فرض قرار دے دیا جاتا بلکہ کچھ سزائے جرمانہ بھی مقرر ہو جاتی کہ جو نہ آئے گا اسے سزا دی جائے گی۔ اور مسیح موعودؑ کی بجائے کوئی اور شخص آنے والا ہوتا تو ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ بہت سے لوگ جرمانہ ادا کرنا پسند کرتے لیکن نہ آتے پر نہ آتے۔

ایسی حالت کا اندازہ کر کے اور اس مخالفت کے جوش کو دیکھ کر خدا کے محبوب کی عظمت اور بھی دل میں بڑھ جاتی ہے اور سچ مچ یقین نہیں بلکہ عین الیقین ہو جاتا ہے کہ یہ جذب اور کشش اسی کی راست بازی اور حقانیت کا تھا۔ جو ہزاروں ہزار سلاسل کو تڑوا کر کھینچ لاتا تھا۔

سٹیشن پر اور سٹیشن سے شہر تک مخلوقات کا اندازہ مختلف روایات کے مطابق 12 سے 15 ہزار تک کیا گیا ہے۔ اور یہ کہنا تو ہرگز مبالغہ نہیں کہ جس راہ میں آپ شہر میں داخل ہوئے اس راہ پر سٹیشن سے لے کر فرودگاہ تک دوکانوں اور مکانوں کی چھتوں اور بازار کے دورویہ میں آدم زاد کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا اور اس حصہ کی تمام مخلوق گویا باہر تھی۔

سٹیشن پر انتظام

سیالکوٹ کے مقامی حکام خصوصاً صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اور صاحب ڈسٹرکٹ سپر نٹنڈنٹ پولیس خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے قیامِ امن اور انتظام کے لئے پہلے سے پوری تدابیر کی ہوئی تھیں۔ انتظامی حالت قابلِ اطمینان ہی نہ تھی بلکہ قابلِ شکر گزاری تھی۔

انتظام روشنی

شام کے بعد چونکہ وہاں گاڑی پہنچی تھی اور تاریکی دم بدم پھیلتی جاتی تھی جماعت سیالکوٹ نے روشنی کا کافی انتظام کر دیا تھا۔ اور حضرت اقدسؑ کی آمد پر بطور خیر مقدم مہتابیاں چھوڑی گئیں۔ ہم نے اس نظارہ کو مختلف رنگوں اور نظروں سے دکھانا چاہا ہے۔ اور اس لئے عام نظر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر مختلف نظریں ڈالنے کیلئے وہ مقام رکھیں جہاں ہم لیکچر کا تذکرہ کریں گے۔ کیونکہ وہ دونوں نظارے ایک ہی قسم کے ہیں۔

المختصر

سٹیشن پر بڑا ہجوم تھا۔ اور اس ہجوم کے حسب حال مقامی حکام کا پورا انتظام تھا۔ احمدی جماعت نے اس پلیٹ فارم پر جہاں ریزرو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جو احاطہ سٹیشن کے دوسری طرف ہے روشنی کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

شہر کو روانگی

پورے انتظام کے ساتھ بے شمار مخلوق کو ایک طرف کر کے پلیٹ فارم کا وہ حصہ بالکل خالی کرا لیا گیا۔ اور عین گاڑی کے دروازے پر حضرت کی گاڑی لا کھڑی کر دی گئی اور حضرت اماں جان اور دوسرے ممبران خاندان جدا جدا گاڑیوں میں امن اور آرام کے ساتھ سوار ہو گئے۔

اور جب سب احمدی احباب جو حضور کے ہمراہ سیالکوٹ گئے تھے آرام سے گاڑیوں میں سوار ہو گئے تو یہ شاندار جلوس پولیس اور مقامی حکام کے مناسبِ موقع انتظام کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہوا۔ گاڑیوں کے آگے مہتابیاں چھوڑی جاتی تھیں اور گاڑیوں کے دونوں طرف وہ ہزارہا مخلوق ساتھ ساتھ بھاگی جاتی تھی۔ خدا کا جری ایک کھلی گاڑی میں بیٹھا ہوا اس انبوہ اژدہام میں جا رہا تھا۔ اور لوگ اس کے دیدار کے لئے دوڑے جا رہے تھے۔ ہم بلا مبالغہ کہتے ہیں اور سیالکوٹ کی سنجیدہ پبلک اور اسوقت کے ڈیوٹی پر متعین حکام خوب جانتے ہیں کہ اس قسم کا نظارہ پہلے کسی آدمی کے لئے نہیں دیکھا گیا۔

یہ گاڑیاں گویا انسانوں کی سڑک پر جا رہی تھیں۔ راستہ میں ہر در و دیوار اور ہر سقف و مکان پر آدمی ہی آدمی موجود تھے۔ اور یہ عجیب بات تھی کہ بعض لوگ زیارت کے لئے باوصفیکہ مخالف تھے یہ کہتے تھے کہ ہم تو مرید ہیں ہمیں نہ ہٹاؤ۔ اس سے اس محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ نے عام لوگوں کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ راستہ میں جو لوگ بازاروں کی چھتوں پر تھے انہوں نے ٹھیک اس وقت جب حضور شہر میں داخل ہوئے ایک چراغاں کر دی۔

فرودگاہ

فرودگاہ کیلئے جناب حکیم حسام الدین کا محلّہ تجویز ہوا تھا۔ کل مہمانوں کے لئے کچھ ایسے انداز سے ملتے جلتے مکانات خالی کرا لئے گئے تھے کہ وہ سارا محلّہ جہاں یہ مہمان فروکش تھے ایک محلّہ کے بجائے ایک ہی مکان کا حکم رکھتا تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے متعلقین کے لئے میر حکیم حسام الدین کا ایوان تجویز ہوا تھا۔ چنانچہ حضور وہاں فروکش ہوئے۔ اور دوسرے خدام اعلیٰ حضرت اپنے اپنے مقام پر جو پہلے سے ان کے لئے تجویز ہو چکے تھے۔

سیالکوٹ کی جماعت کا حسنِ انتظام اور مہمان نوازی

سیالکوٹ کی جماعت نے حضرت حجۃ اللہ مسیح موعودؑ کو سیالکوٹ تشریف آوری کی دعوت کرتے ہوئے خوب سمجھ لیا تھا کہ سیالکوٹ میں کس قدر مجمع مہمانوں کا ہو جائے گا۔ اور سیالکوٹ کی جماعت نے لاہور میں آ کر اس مجمع کو دیکھ بھی لیا تھا۔

سیالکوٹ ایک طرح سنٹر (مرکز) میں واقع ہے۔ اور گوجرانوالہ گجرات اور جہلم وغیرہ اضلاع کی جماعتیں سہولت سے وہاں حاضر ہو سکتی تھیں۔ اس لئے اہلِ سیالکوٹ کو لاہور کی نسبت بہت بڑے پیمانے پر مہمان نوازی اور آسائشِ احباب کا انتظام کرنا پڑا تھا۔ اور انہوں نے پہلے ہی سے ان امور کو سوچ لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے مجمعوں کا انتظام اور ان کی آسائش و آرام کا پورا لحاظ رکھنا سہل اور

آسان نہیں ہوتا۔ سیالکوٹ کی عالی ہمت جماعت نے (جو ہمیشہ مُسابقت فی الخیرات کی حریص رہی اور خدا کے فضل سے اسے یہ امتیاز بھی حاصل ہو چکا ہے) اتنا بھی گوارا نہ کیا کہ کسی نوع کی تکلیف کسی بھائی کو ہو۔ انہوں نے اس سے پہلے کہ خدا کا مسیح و مہدی اپنی کثیر التعداد جماعت کو لے کر انکا مہمان ہو۔ ہر قسم کی ضروریات کا کافی سے زیادہ ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ اور اس سے جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ان کی غرض کوئی نمود و نمائش نہ تھی بلکہ ایسا خیال بھی ان کی نسبت کرنا ہمارے نزدیک بدظنی ہے۔ اصل غرض ان کے دلوں میں اکرموا الضیف یعنی مہمانوں کی عزت کرو کی تعمیل تھی۔ اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ محبوب مسیح و مہدی کی سنت کی تقلید۔ جو لوگ حجتہ اللہ کی پاک مجلس میں بیٹھنے کی عزت حاصل کر چکے ہیں اور کثرت سے انہیں موقعہ ملا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت حجتہ اللہ کے دل میں مہمانوں کی کس قدر عزت ہوتی ہے۔ وہ اسکی خاطر داری اور تواضع کے لئے کس قدر بے قرار ہوتے ہیں بار بار عملہ مہمان خانہ کو تاکید ہوتی ہے کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پاوے۔ اور مہمانوں کو الگ کہا جاتا ہے کہ یہاں آپ بے تکلفی سے رہیں۔ جس چیز کی ضرورت ہو براہ راست مجھے فوراً اطلاع دو۔

غرض ایک دو مرتبہ نہیں بیسیوں مرتبہ حضرت اقدسؑ نے عملہ مہمان خانہ کو تاکید کی ہے۔ اور اکرام ضیف سنتِ انبیاء ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔

پس جماعت سیالکوٹ نے حضرت مسیح موعودؑ کی سنت پر قدم مارا۔ اور مہمانوں کی تواضع اور ان کی دلجوئی اور آرام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

قادیان والوں کا خاص احترام

سیالکوٹ کے بھائیوں نے قادیان دارالامان کے مسافروں اور مہمانوں کا اس تقریب پر خاص احترام کیا۔ جس سے جماعت سیالکوٹ کی اس محبت کا پتہ لگتا ہے جو اسے اپنے آقا و محبوب حضرت مسیح موعودؑ سے ہے۔ دارالامان والوں کیلئے خصوصاً یہ التزام تھا کہ ہر شخص کا کھانا اس کے مکان پر پہنچا دیا جاتا تھا۔ اور ایسا ہی دوسرے ضعفاء اور مریض احباب کو ان کی حسبِ خواہش کھانا تیار کر کے مکان پر پہنچا دیا جاتا اور باقی سب احباب کو ایک وسیع صحن میں حسبِ دستور کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ مہمان نوازی کے پورے لوازمات کو ان لوگوں نے پیشِ نظر رکھا۔ ہر شخص جس فرض پر متعین تھا اس نے نہایت دیانت داری اور کمال مستعدی کے ساتھ اسے ادا کیا اس لئے ہم کسی خاص شخص کے متعلق کچھ ذکر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ بجائے خود ہر ممبر جماعت سیالکوٹ کا خاص تعریف اور شکر گزاری کے قابل ہے۔ خدا کرے اس قسم کی ہمت، استقلال اور فروتنی اور محبت اور یگانگت ہم سب میں پیدا ہو۔ اس کے بعد اگر کسی جماعت نے مسیح موعودؑ کو دعوت دی تو امید ہے کہ سیالکوٹ کی جماعت کا انتظام اور انصرام ہمیشہ نمونہ سمجھا جاوے گا۔ ہم اس سلسلہ میں مخدومنا حکیم میر حسام الدین صاحب کا خاص ذکر کریں گے۔ ہاں اس قدر اور اضافہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جماعت لاہور کے بعض معزز ارکان مثل خلیفہ رجب الدین صاحب اور میاں معراج دین صاحب نے بھی اس تقریب پر انتظامی امور میں جماعت سیالکوٹ کا ہاتھ بٹانے میں سرگرمی دکھائی۔ جزاءھم اللہ احسن الجزاء۔

خیر مقدم

اعلیٰ حضرت حجتہ اللہؑ کے داخلہ پر شہر میں جماعت سیالکوٹ کی طرف سے چھپا ہوا خیر مقدم بھی تقسیم ہوا تھا۔ اور اکثر جگہ خاص طور پر اس محلّہ اور ان مکانات میں جہاں مہمان فروکش تھے لگایا گیا۔ اس خیر مقدم پر مندرجہ ذیل دو شعر تھے۔

اے آمد نت باعث آبادیء ما
ذکر تو بود زمزمہ شادیء ما

سایہ گستر باد یارب بر دلِ شیدائی ما
خضرِ ما مہدیء ما عیسٰیء ما مرزائی ما

غرض حضرت مسیح موعودؑ 27 کی شام کو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت کے ساتھ سیالکوٹ پہنچ گئے اور اسی محلّہ میں جہاں قریباً ۲۷ برس پیشتر آپ ایک گمنامی کی حالت میں رہ چکے تھے آج ایک عظیم الشان انسان کے رنگ میں فروکش ہوئے۔

(دوسرا اور آخری حصہ انشاء اللہ اگلے شمارہ میں شائع کیا جائے گا)

حاصلِ مطالعہ

کہتی ہے تجھ کو خلقِ خُدا غائبانہ کیا

مذہبی معاملہ ہر مرد و عورت کا ذاتی معاملہ ہے جسکی نمائش کی ضرورت پاسپورٹ میں نہیں ہونی چاہیئے۔

نوٹ: پاکستان میں کئی ماہ تک پاسپورٹ میں مذہب کے خانہ کی بحالی بحث و تمحیص کا موضوع بنی رہی ہے۔ اس موضوع پر چند دانشوروں کے خیالات معاصرین کے شکریہ کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ ایڈیٹر

ہفت روزہ ''پاکستان جرنل'' (ہیوسٹن) اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:۔

پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ۔۔۔اللہ کا گھر

"ہر نیا سال پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک تازیانہ ثابت ہو رہا ہے لیکن جیسے مسلمان بھی تہیہ کئے بیٹھے ہیں کہ ہم کسی حالت میں بھی اپنی حالت نہیں بدلیں گے اور ان معاملات میں جان دینے پر تیار رہتے ہیں جن کی حیثیت نہایت سطحی ہوتی ہے۔ نہ صرف سطحی ہوتی ہے بلکہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ مسائل اختلاف کیلئے چنتے ہیں۔ جن میں سو فیصد محض فساد ہی فساد ہو مثلاً اب پاکستان میں پاسپورٹ فارم میں مذہب کے خانے کا فتنہ کھڑا کر دیا گیا ہے۔ جس پر مختلف جماعتیں دین کا نام لے کر اپنے پیروکاروں کی جانوں سے کھیلنے کے لئے تیار ہیں۔ حالانکہ اگر ان سے واقعتاً دین اور اسلام کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ سوائے ان چند رٹی ہوئی روائتی باتوں کے جو پوری دنیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث بھی ہیں اور فساد کی جڑ بھی۔ اس فساد کی جڑ وہ یہ بتاتے ہیں کہ غیر مسلم یا مشرک یا کفار سعودی عرب میں آرام سے چلے جائیں گے اور اسے نقصان پہنچے گا۔ ان غیر تعلیم یافتہ عقلمند لوگوں سے کوئی یہ پوچھے کہ آپ کو یا آپ کے گھر کو یا ملک کو کون بچا سکتا ہے تو یہ فوراً کہیں گے اللہ۔ تو پھر ان سے پوچھو کہ اللہ جب آپ کے گھر کو بچا سکتا ہے تو کیا اپنے گھر کی حفاظت نہیں کرے گا۔ استغفراللہ۔"

(پاکستان جرنل، صفحہ 2 ,21/ جنوری 2005)

راجہ انور اپنے کالم ''بازگشت'' میں لکھتے ہیں:

"متحدہ مجلس عمل کو اللہ دائم آباد رکھے کہ اس کے نزدیک نان ایشو پر واویلا مچانا ہی سیاست ہے۔ چنانچہ اس نے وردی کے ساتھ ساتھ پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کی بحالی کو بھی کفر و اسلام کا آخری معرکہ قرار دے رکھا ہے۔ چونکہ مجلس والوں کو روزگار کے لئے تپ و تلاش یا نان ونفقہ کے لئے محنت و مشقت سے کبھی پالا نہیں پڑا' لہٰذا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اول تو نوے فیصد پاکستانی پاسپورٹ لے ہی نہیں سکتے اور جو دس فیصد لیتے ہیں' انہیں عقیدے کے بجائے پیشے کے اندراج کی ضرورت ہوا کرتی ہے' کیونکہ وہ چندے جمع کرنے کی بجائے محنت مزدوری کی خاطر بیرون ملک جاتے ہیں۔ ان میں سے جس کسی کو یورپ، امریکہ یا کینیڈا وغیرہ کا پاسپورٹ مل جائے وہ اپنی خوش بختی پر ناز کرتا ہے' نذر نیاز بانٹتا ہے۔ اس کی نذر نیاز پر زر مبادلہ کے ذخائر کا بھرم بھی قائم ہے اور مجلس عمل کے مدارس کا انتظام و انصرام بھی چل رہا ہے۔ دنیا میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ ہم ایسے گئے گزرے کسی ایک آدھ ملک کے سوا کہیں عقیدے کا خانہ پاسپورٹ کا لازمہ نہیں' تو

پھر کیا ان سب کا مسلمان ہونا مشکوک ٹھہرا؟ ہمارے ہاں بھی جنرل ضیاء نے مذہب کے خانے کو لازم قرار دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا جنرل ضیاء سے پہلے ہم مسلمان نہ تھے؟ مولانا مودودی مرحوم سے لے کر مولانا مفتی محمود مرحوم تک سبھی اس پاسپورٹ پر سفر کرتے رہے، جس میں عقیدے کا خانہ بالصراحت موجود نہیں تھا، تو کیا ان کے جانشین آج ان پر بھی معترض ہیں؟

اگر پاسپورٹ میں عقیدے کے اندراج سے قوم ترقی کرسکتی ہے، عوام کے دکھ درد دور ہوسکتے ہیں، تعلیم کے معیار اور روزگار کے حصول میں اضافہ ہوسکتا ہے، بیماری اور ناچاری کا علاج تلاش کیا جاسکتا ہے، ستاروں پر کمند ڈالنے کی تدبیر ہوسکتی ہے، تو پھر عقیدے کا خانہ پُر کرنے میں جُت جایئے۔ اگر ایسا نہیں اور یہ محض ایک نان ایشو ہے، تو پھر اس سے حذر کیجئے اور الفاظ کے ہیر پھیر پر کفر اور اسلام کا لیبل چسپاں نہ کیجئے۔

دین میں کسی پر جبر نہیں۔ یہ فرد کا اختیاری معاملہ ہے۔ فرد اپنے اعمال کے لئے ریاست کے بجائے اللہ کو جواب دہ ہے۔ اگر کوئی شخص پاسپورٹ میں اپنا عقیدہ لکھوانے پر بضد ہو، تو حکومت کو چاہیئے کہ وہ اس کے پاسپورٹ پر اس کے عقیدے کی مہر لگادے۔ اس نان ایشو کا مختصر ترین حل یہی ہوسکتا ہے۔"

(ہفت روزہ اردو ٹائمز نیو یارک، 20/جنوری،2005صفحہ10,7)

ڈاکٹر شیریں مزاری تحریر فرماتی ہیں:

''پاکستان کے سیاسی حلقے آج کل ایک نان ایشو جو کہ پاسپورٹ میں مذہبی کالم کی شمولیت کے بارے میں ہے، جس کو پاسپورٹ مشین پڑھ سکے، میں الجھے ہوئے ہیں جو کہ حکومت کی غفلت کے باعث کھڑا ہوا ہے۔ پاسپورٹ جو مشین سے پڑھا جاسکے (ایم آر پی) میں مختلف کالموں کا اندراج ہوتا ہے اور پہلے صفحے کے کالموں میں ایک کالم مذہب کے اندراج کیلئے مخصوص ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ سعودی عرب جیسے خالص اسلامی ملک نے بھی اس نئے پاسپورٹ (ایم آر پی) میں مذہب کا کالم شامل کرنا ضروری نہیں سمجھا لیکن پاکستان جیسے مذہبی فرقہ پرست ملک میں کچھ مذہبی حلقے اس کالم کے اندراج پر مصر ہیں۔ آخر یہاں کچھ غیر مسلم بھی آباد ہیں جو پاکستانی شہری کہلاتے ہیں اور پاسپورٹ کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو بین الاقوامی طور پر استعمال کیا جاتا ہے لہٰذا ہماری شناخت ضروری ہے کہ پاکستانی کے طور پر ہو کیونکہ اسلام کا مقصد ریاست سے وسیع تر ہے اس لئے محض مسلمان ہونا ہماری پاکستانی شناخت کا باعث نہیں بنتا۔ ہمارا مذہب ہماری قومی شناخت کا سبب نہیں بلکہ یہ بات ہمارے پاکستانی ہونے سے ہی منسلک ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد قائداعظمؒ نے قانون ساز اسمبلی کے پہلے خطاب میں کہا تھا کہ

''تمام شہری آزاد ہیں اور سب کو اپنی عبادت گاہوں میں جانے کا پورا حق حاصل ہے۔ آپ کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب یا فرقے سے ہو، ریاست کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا''

اور اسی تقریر میں انہوں نے فرمایا تھا کہ

''وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندو اور مسلم انفرادی طور پر ہندو مسلم ہی کہلائیں گے لیکن ریاست کے سیاسی نقطہ نگاہ سے وہ ریاست کے شہری ہی کہلائیں گے۔''

کیا یہ بھیانک حقیقت نہیں کہ ہمارے پاسپورٹ میں مذہبی کالم کے علاوہ انواع و اقسام کے دیگر فارم بھی ہوتے ہیں جو تقاضا کرتے ہیں کہ ہماری مذہبی پہچان کیا ہے لیکن یہ سب قائداعظمؒ کے تصورات کے منافی نظر آتے ہیں چاہے وہ بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ۔ ہم دنیا کو پاکستان کے مسلمان شہریوں اور دیگر شہریوں میں امتیاز روا رکھ کر کیا بتانا چاہ رہے ہیں؟ کیا شہریت کے اعتبار سے ہمارے معیار میں تضاد پایا جاتا ہے؟ ہماری مسلم شناخت کا انحصار صرف پاسپورٹ میں مذہبی کالم کے اندراج پر ہی مبنی نہیں ہے جہاں تک ہمارے پاکستانی مسلمان کا تعلق ہے، ہمیں غیر مسلم پاکستانیوں کی تعریف کرنا ہوگی کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہم سے الگ تصور نہیں کیا جس کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ متعدد مواقع پر اقلیتوں سے ناروا سلوک کے باوجود عالمی برادری میں ان اقلیتوں نے اپنی الگ مذہبی شناخت کا مطالبہ نہیں کیا اور اپنے آپ کو دہشت پھیلانے والے عناصر سے لاتعلق رکھا، اپنے ہی ملک میں ناروا سلوک روا رکھے جانے کے باوجود انہوں نے مغربی ممالک سے کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا۔

نائن الیون کے سانحہ کے بعد مسلمانوں سے ہونے والے سلوک کے باعث پاکستان کے غیر مسلم یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ان کی مذہبی شناخت پاکستانی اکثریت سے ہٹ کر بھی ہونی چاہیئے تاکہ وہ اس امتیازی سلوک سے محفوظ رہ سکیں جس کا پاکستانیوں کو سامنا ہے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ مزید برآں انہوں نے پاکستان کی مسلمان بین الاقوامی کاز (cause) کی خاطر تائیدی کردار ادا کیا ہے۔ یہ مسلمان پاکستانی اکثریت کو شرمندہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ حالیہ پاسپورٹ ایشو ہماری حماقتوں کی تازہ ترین مثال ہے کہ ہم نان ایشو قسم کی چیزوں پر بھی کس قدر ہنگامہ خیزی کا رجحان رکھتے ہیں اور ہم عمل پر توجہ دینے کی بجائے محض تخیّلات پر ہی یقین کئے بیٹھے ہیں۔

لیکن اس سے پہلے بھی کچھ عرصہ تک شہریت اور مذہب کے لوازمات کے بارے میں فروعی مسائل پر کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ بیوروکریسی کی بے حسی کو ان تمام تضادات کی طوالت کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ پاکستانی شہریت (بذریعہ شادی) حاصل کرنے کے لئے پُر کئے جانے والے فارم میں مذہبی بیان حلفی شامل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب میری اپنی فیملی کے ممبر کو ان مراحل سے گزرنا پڑا جو پاکستانی خاوند کو درخواست فارم کے ساتھ فارم الف کی صورت میں بھرنا پڑتا ہے۔ اس فارم کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ آئٹم نمبر دو میں یہ بتانا پڑتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کی بیٹی سے اسلام قبول کرنے کے بعد تبدیل شدہ نام سے شادی کر رہا ہے۔ یہ ایک مضحکہ خیز صورتحال ہوتی ہے کیونکہ درخواست گزار کو یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ وہ پہلے مسلمان نہیں تھا اور یہ بھی کہ وہ لڑکی جس سے شادی کی جارہی ہے، پہلے مسلمان نہیں تھی اور اس نے اب اسلام قبول کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ 'پاکستانی' غیر مسلم غیر ملکی لڑکیوں سے شادی کی درخواست پاکستانی شہری ہونے کے ناطے نہیں دے سکتے اور ان پاکستانی خواتین کا کیا بنے گا جو غیر ملکوں میں آباد ہیں اور پاکستان میں شادی کی خواہاں ہیں اور اس معاملہ میں اسلام اجازت دیتا ہے دیگر اہل کتاب عیسائی اور یہودی خواتین سے شادی ممکن ہے۔ مگر اس فارم سے اسلام کی روح متاثر ہوتی ہے اور اس کا مطالبہ قطعاً غیر ضروری نظر آتا ہے کہ درخواست کے مراحل میں نکاح نامہ کی نقول فراہم کی جائیں اور وہ شادی سرٹیفکیٹ کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں جو عیسائی ہونے کی صورت میں چرچ نے جاری کیا ہو اور مسلمان ہونے کی صورت میں نکاح نامہ پیش کرنا ہوتا ہے اور دوسرٹیفکیٹ جن کی تصدیق گریڈ 17 یا اس سے اوپر والے افسر نے کی ہو' اس کے علاوہ خاوند کی جائے پیدائش کے ثبوت کے طور پر برتھ سرٹیفکیٹ کی کاپی لگانا ضروری ہوتی ہے۔

اگر ہم اپنے پاکستانی شہری ہونے کے معیار کا باریک بینی سے جائزہ لیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم واضح طور پر اپنی قومیت کے اظہار میں غیر مسلموں کی عدم شمولیت چاہتے ہیں۔ یہ نہ صرف قائداعظمؒ کے نظریات سے متصادم ہے جن کی بنیاد پر انہوں نے پاکستان کے حصول کی جنگ لڑی تھی بلکہ یہ عملاً ان حقائق کی تضحیک کر رہی ہے جس کا بدترین پہلو یہ ہے کہ ہم اپنے غیر مسلم شہریوں سے ناروا سلوک کر رہے ہیں۔ ایم آر پی کی وجہ سے آخر کار ہمیں یہ موقع مل گیا ہے کہ ہم اپنی مذہبی شناخت کا اظہار کرسکیں اور اس کا تمام محبِ وطن پاکستانیوں نے خیر مقدم کیا ہے۔ کیا پاکستان کے مسلمانوں کی مذہبی شناخت اس قدر کمزور پڑ گئی ہے کہ اس کا پاسپورٹ میں اظہار ضروری نہیں سمجھا گیا جو کہ بنیادی طور پر ہماری سیاسی شناخت کا باقی دنیا کے لئے تعین کرتا ہے۔ آخر تو ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہی شہری ہیں۔ پاسپورٹ میں اندراج ہمارے ملکی آئین اور تقاضوں کی رو سے ضروری ہے۔ ہمیں پاسپورٹ کے کور پر درج انگلش الفاظ سے تشویش میں مبتلا ہونے یا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ آخر امریکہ نے بھی تو بہت سی دیگر شناختی علامتیں اپنے پاسپورٹ سے ہٹا کر صرف ایک ''امریکہ'' کو بطور شناخت پاسپورٹ کے کور پر ضروری سمجھا ہے۔

مذہبی معاملہ ہر مرد و عورت کا ذاتی معاملہ ہے جسکی نمائش کی ضرورت پاسپورٹ میں نہیں ہونی چاہیئے۔

معاشرتی پنڈت عالمی گلوبلائزیشن کے دور میں شناخت کے ذرائع کی درجہ بندی چاہتے ہیں لیکن پاسپورٹ کے معاملات میں شناخت محض قومیت ہی ہونی چاہیئے جس میں عقیدے یا نظریے کی گنجائش نہ ہو۔ ہمیں اپنی مذہبی اور قومی روح پر نظر رکھنا ہوگی تاکہ حقیقت میں ہماری اصل شناخت کے لئے تخیل کی بجائے حقیقت پسندی کا جذبہ کارفرما ہو سکے۔"

(ہفت روزہ ''اردو ٹائمز'' ہیوسٹن۔ 20/جنوری 2005 صفحہ 6)

(مرسلہ: مکرم لطف الرحمٰن محمود، آسٹن)

☆☆☆

مولانا محمد اسماعیل منیر صاحب مرحوم

ڈاکٹر شیخ اعجاز احمد، MD, FACC

میں نے اپنی زندگی میں غم کے متعدد چہرے دیکھ رکھے ہیں اور میں سمجھتا تھا کہ میں نے المیہ کی ابتر حالت کو دیکھ رکھا ہے۔ لیکن 22 ستمبر 2004 کی وہ تاریک رات جب جماعت احمدیہ کے ہر دل عزیز مجاہد بزرگ، علم کے روحِ رواں اور اپنی زندگی کا ہر ایک لمحہ جماعت کی فلاح و بہبود اور خاصکر تبلیغ میں وقف کرنے والے مکرم مولانا اسماعیل منیر صاحب ہمیں داغِ مفارقت دے گئے اور خالقِ حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس لمحہ پتہ چلا کہ المیہ اور سوگ کی اصل حقیقت کیا ہے۔

میں آج بھی اٹھتے بیٹھتے سوچتا ہوں کہ اِس سانحہء انتقال کا مجھ پر اور جماعت سے بے لوث محبت رکھنے والوں پر اتنا گہرا اثر کیوں ہے۔ شاید اس کی وجہ آپکی شخصیت کے متعدد پہلو تھے۔ جن منفرد اوصاف میں اُن کی انتہائی سادہ اور صاف گو طبیعت، شفیق مزاج کے حامل اور جماعت کے لئے زندگی قربان کرنے کا عزم رکھنے والا جگر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ حضرت مسیح موعودؑ کے الہام

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

کو عملی جامہ پہنانے میں زندگی کی آخری سانس تک سچے اور خلوصِ دل سے کام کرتے رہے۔

آپ امریکہ اور کینیڈا کی مختلف جماعتوں میں اپنے دوستوں اور عزیزوں سے ملاقات کی غرض سے اکثر آیا جایا کرتے تھے اور سب سے پہلے جماعت کے سنٹر میں جا کر اپنی حاضری لگاتے اور وہاں سے تبلیغ کا schedule بنواتے اور پھر اُس دوران میں بڑی خوشی اور مسرت سے یہ فریضہ ایک دیوانے کی طرح سرانجام دیتے پھرتے۔ وفات سے چند ہفتے پہلے بھی اسطرح کے ایک مشن پر کینیڈا گئے ہوئے تھے اور وہاں پر دل کا پہلا attack ہوا جسکی وجہ سے آپکے دل کی حالت بہت کمزور ہوگئی اور وہاں کے ماہر امراضِ دل نے انتہائی پیچیدہ حالت کی وجہ سے مزید علاج کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیا تھا۔ اُس وقت آپکا دل صرف 10 فیصد کام کر رہا تھا۔ اِس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اور آپ سے ایک خاص عقیدت رکھتے ہوئے میں نے آپکے بیٹوں سے آپکو Houston میں ایک مقامی ہسپتال میں منتقل کروا دیا جہاں آپ خاکسار کے زیرِ علاج رہے۔

اگرچہ آپکے دل کی حالت خاصی پیچیدہ تھی پھر بھی میں نے اپنے خدا پر یقین کا سہارا لیتے ہوئے اس امر کا تہیہ کیا کہ میں اس مومن کی زندگی کے چراغ کو روشن رکھنے کے لئے اپنی ہر خداداد صلاحیت کو ایک ماہرِ امراضِ قلب کی حیثیت سے بروئے کار اس لئے لاؤں گا کہ اس مومن نے اپنا خون اور پسینہ ہمیشہ جماعت کی ترقی اور فلاح کیلئے وقف کر رکھا تھا اور پھر میری ان سے جو دلی وابستگی، عقیدت اور اُنس آپکی اِنہی خوبیوں کی وجہ سے تھا۔ اِن جذبات کو بروئے کار لا کر اپنے مولا کے سامنے سربسجدہ ہو کر اُن کی درازیٔ عمر کے لئے گڑگڑاؤں گا۔

شاید میرا یہی جذبہ تھا جس کے باعث قدرت نے مجھ ناچیز کے ہاتھوں میں اُن کے قلب کی پیچیدہ صورتِ حال کو سُلجھانے کا عزم اور حوصلہ دے دیا اور میں ساڑھے چار گھنٹے labCath میں آپکے دل کی ایک کے بعد دوسری شریان کو جو کہ 100% بند ہو چکی تھیں درود شریف کا ورد زبان پر رکھتے ہوئے سات stents ڈال کر پانچ شریانوں کو کھولنے میں خدا کے فضل سے کامیاب ہوا اور آپکا دل 10% سے 37% تک کام کرنے لگا۔ لیکن خدا نے جتنا کام آپ سے لینا تھا وہ شاید لے چکا تھا اور پھر نمونیہ ہونے کی وجہ سے آپکی حالت گرتی چلی گئی۔ اِس دوران مجھے ایسا لگتا تھا جیسے مرحوم مجھ سے کہہ رہے ہوں، ڈاکٹر صاحب میرے سفرِ آخرت کا وقت آن پہنچا ہے اور میرا بلاوا میرے آقا نے بھیج دیا ہے، اِس لئے اب مجھ کو مت روکو اور مجھے اپنی دعاؤں کے سائے میں الوداع کہہ دو۔ اُس وقت مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ یہ ساعت مبارک ہے یا افسوس والی کیونکہ اِس آخری سفر کی تیاریاں تو مرحوم نے خوب کر رکھی تھیں۔ اور پھر 22 ستمبر کی رات وہ

اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔اور اُنکی محبت انگیز روح اپنے پروردگار سے جاملی اور میں خاصی دیر تک اُن کے جسم کے پاس ساکت کھڑا رہا۔کبھی میں اُن کے ہاتھوں کو چھوتا جس سے اُنہوں نے ہمارے مذہبی افکار کے لئے ایک مسلسل قلمی جہاد کیا اور کبھی اُنکی آنکھوں کی جانب دیکھتا جسکی ساری بینائی اُنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کو روشن کرنے کیلئے خرچ کر دی اور اس روشنی کے چراغ سے اپنی زندگی میں دنیا کے جس خطے میں بھی رہے، چھوٹے بڑے ہزاروں دیئے جلا کر خود ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو گئے۔

آج مولانا اسماعیل منیر صاحب جسمانی طور پر ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن آپکے مِشن کی روحانی طاقت' افکار کی عملی بلندیاں، آپکی جماعت سے سچی اور مخلصانہ قربتیں وہ عوامل ہیں جو آپکو ہمیشہ ہمارے درمیان زندہ رکھیں گی۔

گذشتہ چند برسوں میں مجھے اور میرے بڑے بھائی شیخ افتخار احمد کو مرحوم کے ساتھ جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں خاصا وقت صرف کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں کامل یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کے مرحوم مولانا اسماعیل منیر صاحب نے اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کو جماعت کے مفاد کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ہمیں وہ ہمیشہ ایک ایسے مِشن پر گامزن نظر آئے جس کا مقصد صرف اور صرف جماعت احمدیہ کے پیغام کو کائنات کے طول وعرض میں پہنچا دینا تھا۔وہ ہمیشہ جماعت کے امور کیلئے ایک ایسے مردمومن کی طرح ڈٹے رہے جس کا مقصد صرف اور صرف جماعت کی نشونما اور سرخروئی رہا ہو۔ جب بھی جماعت کے کسی فرد کو آپکی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی آپ نے ہمیشہ لبیک کہا۔

آپکو اپنے مِشن سے سچی اور بے لوث لگن تھی۔شاید یہی وجہ تھی کہ آپکے ملنے والے اور جماعت کی سچی تڑپ رکھنے والے آپکے گرویدہ ہو جاتے۔

آپ اکثر اپنے بیٹے داؤد منیر کے پاس Houston آتے رہتے تھے۔ ہمیشہ تبلیغ کے مختلف پروگرام مرتب کرتے اور پھر خاص کر ہمارے ہیوسٹن سے ریڈیو پروگرام "ندائے اسلام" میں نہ صرف ہماری راہنمائی کرتے بلکہ ایک نہ ختم ہونے والے جوش اور جذبے سے پروگرام میں بھرپور حصہ لیتے اور گھنٹوں بغیر کسی تھکن کا اظہار کیے اپنے علم کی روشنی اور دلائل کے ذریعے پورے اہلِ ہیوسٹن کے سامنے ایک ماہر وکیل کی طرح پیش کرتے جس سے ہمارے حوصلے بہت بلند ہوتے لیکن ہمارے ساتھ وہ ایک شفیق ساتھی اور دوست کی طرح پیش آتے۔

مرحوم نے زندگی کو ہمیشہ خدا سے مستعار لی ہوئی ایک قیمتی امانت سمجھ رکھا تھا اور پھر اِس فکر کے سایہ تلے اپنی کل حیات جماعت کے مقصد حیات کو اجاگر کرنے میں ہی اپنی حیات سمجھی۔

آپکے جاننے والوں نے آپکو تبلیغ کے مشن پر ہمیشہ ایک نہ تھکنے والا مردمومن کی طرح پایا۔ وہ دنیا بھر کے ملکوں اور شہروں میں اس مشن کو اپنے قلب کے ساتھ باندھے پھرتے رہے۔وہ ایک ایسے کارکن کی طرح خدمت دین کا پرچم نگری نگری لئے پھرتے رہے جس کا اولین مقصد صرف اور صرف جماعت کی ترقی اور بلندی رہا ہو۔مرحوم کی اپنی ذاتی زندگی کا ہر پہلو ایک جیتی جاگتی گواہی تھا کہ آپکا ایک ایک لمحہ جماعت کی خاطر قربان ہو چکا تھا۔

آپکی ہر ایک سوچ، آپکی توجہ، آپکی فکر، آپکا لین دین، آپکی گفتار، آپکا مزاج غرض کہ ہر عمل میں پوشیدہ یہ ہی پیغام تھا کہ ؎

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آپکی وفات کے بعد جب آپکی عمر بھر کی کمائی ہوئی دولت کو اکٹھا کیا گیا تو دو سوٹ کیس نکلے جنہیں جب بڑے تجسس سے کھولا گیا تو ایک میں سے آپکے پہننے کے چند کپڑے اور دوسرے میں جماعت کا لٹریچر نکلا اور زبان سے بے ساختہ نکلا کہ

"بعد مرنے کے ترے گھر سے یہ ساماں نکلا"

مگر وہ روحانی دولت جو آپ اِس دنیا میں لٹا گئے جتنی بھی خرچ کی جائے وہ اور بڑھتی اور پھولتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم سب مرحوم کے جذبہء خدمت دین کو اپنی تمام تر توانائیوں اور قوتوں کے ساتھ لیکر آگے بڑھتے رہیں۔اور آپ نے خدا کے مسیح کی آواز کو زمین کے کناروں تک پہنچانے کے عزم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا، ہم بھی اُسی چراغ کو تھام کر آگے بڑھنے والے ہوں تا کہ آپکے جلائے ہوئے یہ چھوٹے چھوٹے دیئے ہمیشہ آپکے نام اور کام کو زندہ اور روشن رکھنے والے بن جائیں۔خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ایسا ہی ہو۔ ایسا ہی ہو۔

☆☆☆